حیاتِ اشرف

سوانح حیات

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رح

تالیف

خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب رح

ملنے کا پتہ

کتب خانہ مجمودیہ۔ دیوبند یو-پی

باسمہ تعالیٰ

حیاتِ اشرف

حصہ اول، دوم

سوانح حیات

حکیم الامۃ مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

تالیف

خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ

ملنے کا پتہ

کتب خانہ محمودیہ دیوبند (یو پی)

(محبوب پریس دیوبند)

فہرست مضامین حیاتِ اشرف

کہیں مدت میں ساقی بھیجتا ہے ایسا مستانہ
بدل دیتا ہے جو بگڑا ہوا دستورِ میخانہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حیاتِ اشرف (جدید)

یعنی

سوانح حیات حضرت مجدد الملۃ حکیم الامۃ الحاج الحافظ القاری مولانا شاہ اشرف علی تھانوی قدس اللہ اسرارہٗ۔

نسب اور خاندان

ہندوستان میں مسلمانوں کی حکمرانی سے قبل راجہ بھیم نے ضلع مظفر نگر میں ایک قصبہ اپنے نام سے بسایا جو "تھانہ بھیم" کہلایا پھر مسلمانوں کی آمد و سکونت پر اس کا نام "محمد پور" ہوا جس کا ثبوت اس وقت کے شاہی کاغذات سے ملتا ہے۔ مگر یہ نام مقبول و مشہور نہ ہوا اور وہی پرانا نام معروف رہا۔ البتہ "تھانہ بھیم" سے "تھانہ بھون" ہو گیا۔ صوبہ

جات آگرہ و اودھ کا یہ قصبہ اپنی مردم خیزی میں مشہور چلا آرہا ہے اور یہاں کے مسلمان شرفا، اہل شوکت و قوت اور صاحب فضل و کمال رہے ہیں۔

مجدد الملت شاہ اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کے اجداد نے آج سے صدیوں پہلے اسی قصبہ "تھانہ بھون" میں اس طرح اقامت ڈالی تھی، ددھیال کے اجداد نسباً فاروقی تھے، ان میں ایک مولانا صدر الدین جہاں تھے (جو قاضی محمد نصر اللہ خاں کے ہمعصر ہیں اور جن کا ذکر عہد اکبری کے کاغذات میں ملتا ہے) ان کے قریبی اجداد تھانیسر ضلع کرنال سے نقلِ سکونت کر کے تھانہ بھون آئے تھے، اور اسی طرح ننھیالی اجداد نے (جو علوی تھے) پہلے پہل جنجھانے میں سکونت اختیار کی تھی، اور پھر یہاں آگئے تھے۔

مجدد الملت کے والد ماجد عبد الحق صاحب مرحوم ایک مقتدر رئیس صاحبِ نقد و جائداد اور کشادہ دست انسان تھے، میرٹھ کی ایک بڑی ریاست کے مختار عام تھے۔ فارسی میں اعلیٰ استعداد کے مالک تھے، اور حافظ قرآن تو نہ تھے لیکن ناظرہ بہت قوی تھا اور قرآن مجید بہت صحت سے پڑھتے تھے، ذہنی اعتبار سے بڑے ہی صاحب فراست تھے، جس کا ایک کھلا ثبوت یہ ہے کہ اپنے صاحبزادوں کی استعداد و صلاحیت کو بچپن ہی میں تاڑ گئے تھے، اور اسی بنا پر اپنے فرزند اکبر (یعنی حضرت مجدد الملت) کو عربی و دینیات میں اور

فرزند اصغر اکبر علی صاحب مرحوم کو انگریزی اور علوم دینوی میں لگا دیا تھا، اور اس پر مرحوم کو پورا پورا اعتماد تھا، ایک مرتبہ مرحوم کی بھاوج صاحبہ نے فرمایا۔ بھائی تم نے چھوٹے کو تو انگریزی پڑھائی ہے۔ وہ تو خیر کما کھائے گا، بڑا عربی پڑھ رہا ہے، وہ کہاں سے کھائے گا اور اس کا گذارا کس طرح ہوگا کیونکہ جائداد تو ورثا میں تقسیم ہو کر گذارے کے قابل نہ رہے گی،" اس پر مرحوم کو جوش آیا اور فرمانے لگے "بھابی صاحبہ تم کہتی ہو کہ یہ عربی پڑھ کر کھائے گا کہاں سے؟ خدا کی قسم جس کو تم کمانے والا سمجھتی ہو اس جیسے اس کے جوتیوں سے لگے لگے پھریں گے اور یہ ان کی جانب رخ بھی نہ کرے گا" کس بلا کی فراست ہے اور مزاج شناسی! یہی وجہ ہے کہ اکبر علی صاحب مرحوم سے کہیں زیادہ حضرت حکیم الامت پر روپیہ صرف کرتے تھے۔ اور جب ایک مرتبہ بھاوج صاحبہ نے اس کی شکایت کی تو فرمایا "بھابی مجھے اس (یعنی مجدد الملت) پر رحم آتا ہے۔ وہ جو کچھ مجھ سے لیتا ہے میری زندگی ہی تک ہے، میرے بعد یاد رکھو وہ میرے مال و متاع سے بالکل علیحدہ رہے گا"، چنانچہ اس میں سے ایک ایک قیاس حکیم الامت رح کی آئندہ زندگی میں پیکر حقیقت بن کر جلوہ نما ہوا،

حضرت حکیم الامت کی والدہ ماجدہ بھی ایک نسبت بی بی تھیں، حضرت حکیم الامت رح کے ماموں پیرجی امداد علی صاحب رح ایک زبردست صاحب حال وقال بزرگ تھے، یہ اپنے وقت

کے مجذوب کامل حافظ غلام مرتضیٰ صاحب پانی پتیؒ کے مشورہ سے حیدر آباد دکن تشریف لائے۔ یہاں ملازم بھی ہوئے اور بعد کو حضرت حافظ صاحبؒ ہی کے ایما سے مرزا سردار بیگ صاحبؒ ارادت میں داخل ہو گئے۔ جنہوں نے نوابی و ریاست کو ٹھکرا کر فقر و درویشی اختیار کر رکھی تھی۔ گو حضرت حکیم الامتؒ کو مسائل و حقائق میں ان سے اختلاف تھا، مگر ان کا جذبۂ عشق بہرحال قابل قدر تھا۔ بقول حکیم الامتؒ ان کے اشعار سے آگ برستی تھی۔ چنانچہ ان کا یہ شعر حضرت اقدسؒ نے بارہا نقل فرمایا ہے ؎

ساقی ترا مستی سے کیا حال ہوا ہوگا جب تو نے یہ مئے ظالم شیشے میں بھری ہوگی

حضرتؒ کے نانا میر نجات علیؒ اعلیٰ درجہ کے فارسی داں، انشا پرداز اور حاضر جواب بزرگ تھے۔ مولانا شاہ نیاز احمد بریلویؒ کے ایک خلیفۂ خاص کے مرید، اور حافظ غلام مرتضیٰ صاحب سے خصوصی تعلق رکھتے تھے۔

حضرت اقدسؒ کے جد اعلیٰ سلطان شہاب الدینؒ فرخ شاہ کابلیؒ تھے، جن کی اولاد میں شیوخ تھانہ بھون کے علاوہ حضرت شیخ مجدد الف ثانی قدس سرہٗ۔ شیخ جلال الدین تھانیسریؒ اور شیخ فرید الدین گنج شکرؒ جیسے کاملین ہوئے ہیں۔ خود حضرت فرخ شاہ پہلے تو والی کابل رہے۔ اور سلطنت غزنویہ کے زوال پر جذبۂ جہاد کے تحت کئی بار ہندوستان پر حملہ کر کے کافروں کو زیر کیا اور بامراد لوٹے۔ جہاد اصغر سے فراغت

پاکر جہاد اکبر میں مصروف ہو گئے کابل کے کوہسار کو اپنا نشیمن بنایا۔ بزرگان چشت کے آگے زانوئے ارادت تہہ کر کے مرتبۂ کمال کو پہنچے۔ اور ایک عالم کو فیض یاب کیا۔ اور پھر بعد وفات وہیں دفن ہوئے۔ یہ موضع آج تک "درۂ فرخ شاہ" کے نام سے مشہور اور زیارت گاہِ خاص و عام ہے

تا گوہر آدم نسیم یا زنہ استندا زابائے خود از بشمرم اصحاب کرم را

ولادت اور بچپن

خاندان اشرف کا مجمل خاکہ نظروں میں آ گیا۔ ایسے عالی خاندان میں جہاں دولت و حشمت اور زہد و تقویٰ بغلگیر ہوتے تھے، حضرت مجدد الملت کی جامع شخصیت ظہور پذیر ہوئی ولادت کا واقعہ بھی عجیب ہے، حضرت اقدسؒ کے والد مرحوم کے اولاد نرینہ زندہ نہ رہتی تھی۔ اس کی ظاہری وجہ یہ تھی کہ موصوف جب ایک مرتبہ مرض خارش میں بُری طرح مبتلا تھے تو مجبوراً کسی ڈاکٹر کے مشورے سے ایسی دوا کھائی تھی جو قاطع نسل تھی۔ مگر جب اس کی خبر مرحوم کی خوشدامن صاحبہ کو پہنچی تو وہ سخت پریشان ہوئیں۔ اور حضرت حافظ غلام مرتضیٰ صاحب پانی پتیؒ سے عرض کیا کہ "میری لڑکی کے لڑکے زندہ نہیں رہتے ہیں"، حافظ صاحبؒ نے مجذوبانہ انداز میں فرمایا: "عمرؓ و علیؓ کی کشاکش میں مر جاتے ہیں۔ اب کی باری علیؓ کے سپرد کر دینا"۔ اس معمہ کو کسی

نے نہ سمجھا لیکن حکیم الامتؒ کی والدہ تاڑ گئیں اور فرمایا "حافظ صاحب کا یہ مطلب ہے کہ لڑکوں کی ددھیال ہے فاروقی اور ننھیال ہے علوی اور اب تک جو نام بھی رکھے گئے وہ ددھیالی طرز پر تھے۔ اب کی بار جب لڑکا ہو تو ننھیالی وزن پر نام رکھا جائے جس کے آخر میں "علی" ہو۔ حافظ صاحبؒ نے یہ سنکر ہنس پڑے اور فرمایا "لڑکی بڑی ہشیار ہے میرا منشا یہی تھا" پھر فرمایا انشاء اللہ اس کے دو لڑکے ہونگے اور زندہ رہیں گے۔ ایک کا نام اشرف علی رکھنا اور دوسرے کا نام اکبر علی۔ ایک میرا ہوگا اور وہ مولوی ہوگا۔ دوسرا دنیادار ہوگا" چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

مجدد الملتؒ ۵ ربیع الثانی ۱۲۸۰ھ کو چہارشنبہ کے دن صبح صادق کی طلوع کے ساتھ جلوہ نما ہوئے۔

چونکہ حضرت کی ولادت کے چودہ ہی مہینے بعد آپ کے چھوٹے بھائی اکبر علی مرحوم کی ولادت ہوئی۔ اور ماں کا دودھ بچوں کے لئے کافی نہ ہوتا تھا۔ اس لیئے انا رکھی گئی۔ پھر حضرت کی عمر شاید پانچ ہی برس کی ہوئی تھی کہ مادری سایہ سر سے اٹھ گیا۔ مگر محبت مادری کا سیلاب شفقت پدری کے دریا میں ضم ہو کر اب اس راہ سے امنڈنے لگا۔ والد ماجد نے اپنے اس گوہر اشرف کی تربیت بڑے ہی پیار و محبت سے کی۔ اور تربیت میں اس کا خاص لحاظ رکھا کہ اس کی جلا میں کچھ فرق نہ آئے۔

تراویح میں ختم قرآن کے موقعہ پر جب مٹھائی بٹتی تو اس میں ہرگز شریک نہ ہونے دیتے، بلکہ اس وقت خود بازار سے لاکر اپنے فرزند کو چھکا دیتے

اور فرماتے کہ مسجد کی مٹھائی لینا بے غیرتی کی بات ہے۔ نو عمری میں ایک مرتبہ فرزند کی زبان سے مولانا رفیع الدین صاحبؒ (مہتمم دارالعلوم) کے متعلق یہ نکل گیا کہ "مولانا تو پڑھے ہوئے نہیں ہیں"۔ بس اس پر سختی سے ڈانٹا کہ گویا اب مارنا ہی باقی تھا فرمایا کہ "بزرگوں کی شان میں یوں نہیں کہا کرتے"۔ حضرت اقدس رح کی طبیعت خود ایسی واقع ہوئی تھی کہ کبھی بازاری لڑکوں کیساتھ نہیں کھیلے۔ اور اس وجہ یہ تھی کہ بچپن ہی سے حضرت کا مذاق دینی تھا۔ کھیلوں میں بھی نماز باجماعت کی نقل اتارتے تھے بازار کی طرف کبھی نکل جاتے اور راستہ میں مسجد نظر پڑتی تو سیدھے اندر چلے جاتے اور ممبر پر چڑھ کر خطبہ کی طرح کچھ پڑھ پڑھا کر لوٹ آتے گویا مستقبل کے نقشہ کھا کہ اس نیم شعوری دور ہی سے کھینچ رہے تھے۔

ابھی ۱۲، ۱۳ برس ہی کی عمر ہوگی کہ "فغان صبحگاہی" کا چسکا لگا۔ پچھلی رات سے اٹھ بیٹھتے۔ اور تہجد و ظائف میں منہمک ہو جاتے۔ والدہ تو تھیں نہیں: نانی صاحبہ کا دل بہت دکھتا کہ اس نو عمری میں یہ مشقت!——

لیکن عشق کی آگ تو بھڑک چکی تھی۔ اور حضرت کے استاد مولانا فتح محمد صاحبؒ جیسے صاحب نسبت و اجازت بزرگ کی صحبت نے اپنا اثر جما دیا تھا۔

نظافت طبع کا یہ عالم تھا کہ بچپن میں بھی کسی کا ننگا پیٹ دیکھتے تو قے کر دیتے تھے۔ طبیعت کی اس لطافت سے بہت ستائے گئے۔ بڑے ہو کر بھی یہ عالم رہا کہ جس کمرہ میں تیز خوشبو ہوتی سو نہ سکتے تھے۔ ابتدا ہی سے بے اصولی ناقابل برداشت رہی۔ اس وجہ سے حضرت والا کی بڑی اہلیہ محترمہ

فرمایا کرتی تھیں کہ "آپ تو کسی بادشاہ کے ہاں پیدا ہوتے" حضرت مولانا شیخ محمد صاحب محدث تھانوی جو حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہ کے پیر بھائی اور حضرت میاں جی نور محمد صاحبؒ کے خلیفۂ خاص تھے حکیم الامت کے بچپن کے احوال و آثاری کو دیکھ کر فرمایا کرتے تھے کہ "میرے بعد یہ لڑکا میری جگہ ہوگا۔"

حضرت حکیم الامت نے بچپن ہی میں ایک خواب دیکھا تھا جس سے پہلے کوئی خواب دیکھنا یاد نہیں، کہ بڑے مکان میں ایک پنجرہ رکھا ہوا ہے جس میں دو خوبصورت کبوتر ہیں، پھر دیکھا کہ شام ہوئی اور تاریکی چھا گئی ان کبوتروں نے حضرت سے کہا کہ "ہمارے پنجرہ میں روشنی کردو" حضرت نے کہا کہ "خود ہی کر لو" چنانچہ انہوں نے اپنی چونچیں رگڑیں اور ساتھ ہی ایک تیز روشنی ہوئی جس سے سارا پنجرہ منور ہو گیا۔ ایک مدت بعد جب حضرت نے اپنا یہ خواب ماموں واجد علی صاحب مرحوم سے بیان کیا تو انہوں نے یہ تعبیر دی کہ "وہ دو کبوتر روح و نفس تھے۔ انہوں نے تم سے درخواست کی کہ مجاہدہ کر کے ہم کو نورانی کردو۔ مگر تم نے جو یہ کہا کہ تم خود ہی روشنی کر لو اور انہوں نے اپنی چونچ رگڑ کر روشنی کر لی اس کا مطلب یہ ہے کہ انشاء اللہ بلا ریاضت ہی حق تعالیٰ تمہاری روح اور نفس کو نورِ عرفان سے منور فرما دیں گے۔" چنانچہ مستقبل میں یہ خواب حقیقت بن کر ظاہر ہوا۔

حصولِ علم

حضرت مجدد الملت کی ابتدائی تعلیم میرٹھ میں ہوئی، فارسی کی ابتدائی کتابیں یہیں پڑھیں اور حافظ حسین علی صاحب مرحوم دہلوی سے کلام پاک حفظ کیا۔ پھر تھانہ بھون آکر حضرت مولانا فتح محمد صاحبؒ سے عربی کی ابتدائی کتابیں اور فارسی کی متوسط کتابیں پڑھیں۔ اور اس کی کچھ انتہائی کتابیں ماموں واجد علی صاحب سے پڑھیں جو ادب فارسی کے استاد کامل تھے۔ پھر دیوبند پہنچکر بقیہ نصاب کی تکمیل مولانا منفعت علی صاحب سے کی اور زبان فارسی میں پورا عبور حاصل کیا۔ ایک مرتبہ اسی زمانہ طالب علمی میں بارش میں مبتلا ہونے کی وجہ سے چھٹی لے کر گھر تشریف لائے تھے تو بطور مشغلہ اشعار پر مشتمل ایک مثنوی "زیر و بم" لکھی جس سے فارسی کی مہارت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس وقت آپ کی عمر ۱۸ برس سے زیادہ نہ تھی آخر ذی قعدہ ۱۲۹۵ھ میں دار العلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور پانچ سال تک یہاں مشغول تعلیم رہکر شروع ۱۳۰۱ھ میں فراغت حاصل کی اس وقت عمر شریف ۱۹ - ۲۰ برس کے لگ بھگ تھی۔

طالبِ علمانہ حیثیت

زمانۂ طالب علمی میں حضرت میل جول سے الگ تھلگ رہے اگر کتابوں سے کچھ فرصت ملتی تو اپنے استادِ خاص حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب قدس سرہٗ (صدر مدرس مدرسہ دارالعلوم دیوبند) کی خدمت بغرض درجت میں جا بیٹھتے۔ یہ وہ بزرگ ہیں جو ہر فن میں ماہر ہونے کے ساتھ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس سرہٗ کے خلیفۂ رشید بھی تھے۔ اُن کی اسی جامع حیثیت کی وجہ سے ان کا حلقہ درس حلقہ توجہ بھی ہوتا تھا۔ اور ذہن و قلب کی تعلیم و تربیت ایک ساتھ ہوتی تھی افسوس کہ آج دینی درس گاہیں جامعیت فیض سے محروم ہیں۔ حضرت والا کی ابتدا ہی کو دیکھ کر اہل بصیرت انتہا کا پتہ چلا چکے تھے،

چنانچہ جب حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ طلباء کا امتحان لینے اور دستار بندی کے لئے تشریف لائے تو شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ نے اپنے اس ہونہار طالب کی ذہانت و ذکاوت کی بطور خاص مدح فرمائی۔ حضرت گنگوہیؒ نے مشکل سوالات کئے اور ان کے جواب سُن سُن کر مسرور ہوئے۔

حضرت اقدسؒ کو علوم عقلیہ سے خاص مناسبت تھی۔ فطرت نے حاضر جوابی، طلاقت لسانی اور ذہانت و فطانت کے جواہر سے پوری طرح آراستہ کیا تھا، منطق میں مہارت کا اعتراف یوں فرماتے تھے

کہ میں سچی بات کیوں نہ کہوں۔ نہ میں متواضع ہوں نہ متکبر، الحمدللہ مجھے منطق میں مہارت حاصل ہے"۔ چنانچہ دیوبند میں جب کوئی مذہبی مناظرہ کے لیے آتا تو فوراً اشرفی تلوار خلوت کی نیام سے باہر نکل آتی۔ اور مخالف کو گھائل کر جاتی تھی ـــ لیکن طبیعت کے اعتدال کا یہ عالم تھا کہ معقولات کو ہمیشہ دینیات کے لئے علوم آلیہ سمجھتے تھے۔ آپ کی ہر تقریر و تحریر میں یہ جوہر نمایاں نظر آتا ہے۔ راس المناظرین مولا سید مرتضیٰ حسن صاحبؒ (استاذ دارالعلوم دیوبند) حضرت کی اسی نوعمری کی تقریروں پر وجد کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ "حضرت کو فن مناظرہ میں اس قدر کمال ہے کہ بڑے سے بڑا مناظر بھی ٹھیر نہیں سکتا"۔ اور خود فرمایا کرتے تھے کہ "جتنا شوق مجھے اس زمانہ (طالب علمی) میں مناظرہ کا تھا اب اس کی مضرتوں کی وجہ سے اتنی ہی نفرت ہے"۔ علوم عقلیہ و نقلیہ میں اس قدر رسوخ رکھنے کے باوجود تواضع کا حال قابل دید ہے ۱۳۰۱ھ کا واقعہ ہے خبر ملی کہ دستار بندی (تقسیم اسناد) کا جلسہ بڑے شاندار پیمانے پر ہونے والا ہے اور حضرت مولانا گنگوہیؒ کے مقدس ہاتھوں یہ رسم طے پانے والی ہے۔ اپنے ہم سبقوں کو جمع کر کے اپنے استاذ خاص حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کی خدمت میں پہنچے اور عرض کی۔ حضرت ہم نے سنا ہے کہ ہم لوگوں کی دستار بندی ہوگی۔ اور سند فراغ دی جائے گی حالانکہ ہم ہرگز اس کے اہل نہیں یہ تجویز منسوخ فرمادی جائے ورنہ اس میں مدرسہ کی بڑی بدنامی ہوگی۔ کہ ایسے نالائقوں کو سند دی

ہے۔" یہ سن کر صاحب بصیرت استاذ کو جوش آیا فرمانے لگے۔ تمہارا یہ خیال بالکل غلط ہے۔ یہاں چونکہ تمہارے اساتذہ موجود ہیں اس لیے ان کے سامنے تمہیں اپنی ہستی کچھ نظر نہیں آتی اور ایسا ہی ہونا چاہیئے باہر جاؤ گے تب تمہیں اپنی قدر معلوم ہوگی۔ جہاں جاؤ گے بس تم ہی تم ہو گے باقی سارا میدان صاف ہے" دنیا نے دیکھا کہ یہ پیشین گوئی حرف بہ حرف صحیح نکلی۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے فتویٰ نویسی کا کام بھی اسی زمانے سے آپ کے سپرد فرمایا تھا۔ ایک مرتبہ آپ نے ایک طویل استفتاء کا ایسا ہی مفصل اور مکمل جواب لکھ کر اپنے استاذ کی خدمت میں پیش کیا تو عارف کامل استاذ نے اس پر دستخط کرتے ہوئے فرمایا " معلوم ہوتا ہے تم کو فرصت بہت ہے۔ ہم تو اس وقت دیکھیں گے جب خطوں کا ڈھیر تمہارے سامنے ہوگا اور پھر تم اتنے لمبے لمبے جواب لکھو گے " آئندہ پتہ چلے گا بصیرت یعقوبی نے جو کچھ دیکھا کس قدر صحیح تھا۔ حق تعالیٰ نے مجدد الملت کو جہاں اور محاسن ظاہری سے نوازا تھا وہاں خوش الحانی سے بھی سرفراز فرمایا تھا۔ حضرت کی فن قرأت میں مہارت کے ساتھ حسن صوت نے ملکر سونے پر سہاگہ کا کام کیا تھا۔ حضرت نے قرأت کی مشق مشہور عالم قاری محمد عبد اللہ صاحب مہاجر مکی سے بمقام مکہ معظمہ فرمائی۔ جو قرائے عرب کے نزدیک بھی ایک ماہر فن قاری تھے۔ حضرت کی قوتِ اخذ کا یہ عالم تھا کہ جب شاگرد و استاذ قرأت کی مشق کرتے

کراتے ہوتے تو پہچاننا مشکل ہوتا تھا کہ استاذ پڑھ رہے ہیں یا شاگرد سنا رہے ہیں۔ کمالِ فن اور جمالِ صوت نے مل کر عجیب دلفریبی پیدا کردی تھی۔ بقول شخصے "قرآن کیا پڑھتے تھے لوگوں کو ذبح کرتے تھے"۔

ایک مرتبہ نمازِ فجر میں مولانا عین القضاۃ صاحب (جنہوں نے لکھنؤ میں قرأت کا ایک اعلیٰ مدرسہ قائم فرمایا تھا) شریک تھے حضرت کا قرآن سنا تو بعد نماز بہت اشتیاق سے کچھ اور سنا نے کی خواہش ظاہر کی۔

حضرت کی پذیر طبیعت کا نتیجہ یہ تھا کہ دارالعلوم پہنچکر تکلف اور معمولی باتوں کی طرف ضرورت سے زیادہ التفات سب کچھ رخصت ہو گیا تھا۔ سادی سی زندگی اور فقیرانہ رنگ اختیار فرمالیا تھا۔ حضرت والا طلبا کے بناؤ سنگار اور ادائی چیزوں کی طرف التفات سے نفور تھے۔ اور فرماتے تھے کہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان کو علم کا چسکا لگا نہیں۔

درس و تدریس

تکمیلِ تعلیم کے بعد اب وقت آتا ہے کہ دارالعلوم دیوبند کی عام فضا سے جو فیض حاصل کیا تھا اور استاذ خاص کی شفقتوں نے جس رنگ میں ڈبو یا تھا اسی فیض کو عام کریں اور اسی رنگ میں ایک ایک کو رنگ دیں ــــ سبزہ کا آغاز ہے۔ حسنِ ظاہری اور جمالِ باطنی سے آراستہ ہیں۔ کمالِ علمی اور جذبۂ اشاعتِ دین سے معمور ہیں۔ حق تعالیٰ

کے مجبوب ہیں۔ بلا کی کشش و مقناطیس ہے جہاں بھی بیٹھ گئے لوگ پروانہ وار آئے اور ساری فضا انہی کے رنگ میں رنگ گئی ؎

شباب رنگیں جمال رنگیں وہ سر بانک تمام رنگیں ۔ تمام رنگین بنے ہوئے ہیں تمام رنگیں بنائے ہوئے ہیں

مسلسل ۱۴ برس تک اسی انداز سے درس و تدریس میں مشغول رہے۔ اور ساتھ ہی مواعظ، تصنیفات، اور افتاء کے کام سے ایک عالم کو فیضیاب کیا۔ کانپور میں ایک مدرسہ قدیم سے چلا آرہا تھا جو "مدرسہ فیض عام" کے نام سے مشہور تھا اس کی صدر مدرسی کے لئے جب حضرت کو کانپور والوں نے طلب کیا تو اپنے اساتذہ اور والد ماجد کی اجازت سے صفر ۱۳۰۱ھ میں (۲۵) روپیہ ماہوار پر یہاں تشریف لے آئے۔ نوجوان تھے۔ لیکن بہت جلد وہاں کے سارے مدرسین میں آپ کے علم و فضل کا شہرہ ہو گیا۔

ادھر درس و تدریس سے طلباء و علماء گھائل ہوئے ادھر مواعظ حسنہ نے سارے کانپور کو حضرت کا فریفتہ بنا دیا۔ یہ سب کچھ تین چار مہینے میں ہوا۔ اراکین مدرسہ نے حضرت اقدس کی اس مقبولیت سے مالی فائدہ حاصل کرنا چاہا۔ اور وعظوں میں مدرسہ کے لئے چندہ کی اپیل کرنے کی خواہش کی۔ حضرت والا چونکہ اس قسم کے چندوں کو شرعاً ناجائز اور ویسے غیرت دینی کے بھی خلاف سمجھتے تھے۔ اس لئے ان اراکین کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی۔ اس پر ان میں کچھ چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ حضرت نے اس کی اطلاع پاکر استعفےٰ پیش کر دیا اور باوجود اصرار کے پھر اس مدرسہ میں رہنا گوارا نہ کیا۔ بلکہ واپسی وطن کا ارادہ فرما لیا۔ مگر واپسی سے

پہلے حضرت شاہ فضل الرحمن گنج مراد آبادیؒ کی خدمت فیضدرجت میں حاضر ہوئے کہ شاید پھر اس کا موقع نہ ملے حضرت تشریف لے گئے ادھر کانپور کے لوگوں میں اس نقصانِ عظیم سے ایک ہیجان بپا ہوا۔ جناب عبد الرحمن خان صاحب اور کفایت اللہ صاحب مرحوم نے یہ سوچ کر کہ ایسی جامع شخصیت جو معقولات و دینیات پر حاوی ہو نایاب ہے۔ اپنی طرف سے (۲۵) روپیہ تنخواہ کی سبیل کر کے مراد آباد سے واپسی پر حضرت اقدس کو روک لیا۔ اور اب حضرت اقدس جامع مسجد محلہ ٹپکا پور میں درس دینے لگے۔ اس طرح ایک نئے مدرسہ کی بنا پڑی جس کا نام خود حضرت ہی نے مسجد کی مناسبت سے "جامع العلوم" رکھا جو آج تک قائم ہے۔ غرض پورے چودہ سالہ قیام کے بعد خود اپنے مرشد شیخ العرب والعجم حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس سرہٗ کے ارشاد پر آخر صفر ۱۳۱۵ھ میں کانپور کا تعلق ترک کر کے تھانہ بھون کو رونق بخشی اس مراجعت پر حضرت حاجی صاحب علیہ الرحمہ ایک والا نامہ تحریر فرماتے ہیں۔

"بہتر ہوا کہ آپ تھانہ بھون تشریف لے گئے۔ امید ہے کہ خلائق کثیر کو آپ سے فائدہ ظاہری و باطنی ہوگا۔ اور آپ ہمارے مدرسہ و مسجد کو از سر نو آباد کریں۔ میں ہر وقت آپ کے حال میں دعا کرتا ہوں۔" (مکتوب امدادیہ) حضرت کو ابتدا سے لے کر آخر عمر تک طلباء سے خاص محبت رہی اور ان کا خاص لحاظ فرماتے رہے۔ خود اپنے

آپ کو ہمیشہ طالب علم کہتے رہیے فرمایا کرتے تھے کہ "مجھے پیر جیوں والی درویشی نہیں آتی۔ میں تو ایک طالب علم ہوں۔ مجھ سے تو قرآن و حدیث کی باتیں پوچھی جائیں۔ مجھے تو سادہ سیدھا قرآن و حدیث ہی آتا ہے۔ اور اسی کو اصل درویشی سمجھتا ہوں" اور فرماتے کہ "صوفیا سے زیادہ علماء کی ضرورت ہے کیونکہ انہی کی بدولت انتظام دین قائم ہے" اسی وقعت علمی کا نتیجہ تھا کہ طلبا کے ساتھ ہر طرح کی رعایت فرماتے اور ان کی ہر طرح امداد کرتے تھے ان کے وقار کا خاص لحاظ رکھتے اور دوسروں کو اس کی تاکید فرماتے تھے۔ اور خود طلباء کو ادنیٰ چیزوں کی طرف سے موڑ کر ان کے مقام اعلیٰ اور منصب جلیل پر فائز کرنے کی پوری سعی فرماتے تھے۔

اصول تعلیم

اب آیئے اس ہستی کے اصولِ تعلیم کو اجمالی طور پر سمجھیں جس کی چودہ سالہ تدریس میں سینکڑوں علماء کامل نکلے۔ (۱) حضرت والا اس بات کے قائل تھے کہ استاذ جو بھی مضمون پڑھائے اس میں خود زیادہ مشقت اٹھائے اور اس کو سہل ترین پیرایہ میں شاگردوں کے آگے پیش کرے گو اس میں استاد پر زیادہ بار پڑتا ہے لیکن جذبۂ شفقت اس کو ہلکا کر دیتا ہے۔ اور صحیح یہ ہے کہ بغیر اس جذبہ کے یہ کام انجام ہی نہیں پا سکتا۔ (۲) حضرت اقدس کا یہ بھی اصول تھا کہ مشکل اور پیچیدہ مقام کو پہلے سلیس تقریر میں حل

کیا جائے اور جب طلباء خوب سمجھ لیں تو اس مقام کا تعارف کرایا جائے چنانچہ مدرسہ "جامع العلوم" کے شاگرد اول مولوی فضل حق صاحب (جو بعد میں مدرسہ قنوج میں مدرس بنے) کو صدرا کا مشہور مقام "ثناۃ بالتکریر" درپیش ہوا۔ (جو بہت ہی مشکل سمجھا جاتا ہے) تو حضرت نے پہلے اس کی آسان تقریر فرما دی اور پھر جب اچھی طرح سمجھ گئے تو فرمایا کہ "یہ وہی تو مقام تھا جس کو "ثناۃ بالتکریر" کہتے ہیں"۔ اس پر وہ دنگ رہ گئے کہ ہم تو بہت ڈرتے تھے لیکن یہ تو کچھ مشکل نہ نکلا۔

(۳) حضرت اقدس یہ بھی پسند نہ فرماتے تھے کہ طلباء کے آگے زائد از ضرورت تقریر کی جائے جس سے مقصود محض اظہارِ قابلیت ہو اور جس کی وجہ سے اصل مطلب خلط ملط ہو جائے چنانچہ نہ صرف خود اس اصول پر کاربند تھے بلکہ اور مدرسین پر بھی اسی نظر سے نگرانی فرماتے تھے۔

(۴) ہفتہ واری تقریروں اور مناظروں (ڈبیٹ) سے بھی حضرت اقدس کو اختلاف تھا۔ اور بجا اختلاف فرماتے تھے کہ اس کی وجہ سے طلباء کی توجہ ہفتہ بھر اسی ایک موضوع تقریر و بحث کی طرف لگی رہتی ہے اور اصل درس میں جرح واقع ہوتا ہے۔ حضرت اقدسؒ فرماتے تھے کہ جب کتابیں اچھی طرح پڑھ لیں تو پھر تقریر و مناظرہ سب کچھ آجاتا ہے حضرت اقدس کی طالب علمانہ یکسو زندگی اس صحیح اصول کی کھلی گواہ ہے

(۵) فرماتے تھے کہ طلباء اگر تین باتوں کا التزام کریں تو استعداد علمی حاصل ہو جاتی ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

(۱) آئندہ سبق کا مطالعہ کر کے معلومات اور مجہولات میں تمیز پیدا کریں (ب) پھر جب استاد سمجھائے تو بغیر سمجھے آگے نہ بڑھیں۔ (ج) جب سمجھ چکیں تو ایک مرتبہ خود بھی اسی مطلب کی تقریر کریں۔ یہ تین باتیں تو واجب ہیں۔ ایک بات درجۂ استحباب کی ہے وہ یہ کہ کچھ آموختہ روزانہ پڑھ لیا کریں۔ اب یاد رہے استعداد انشاء اللہ پیدا ہو جائے گی

(۶) حضرت والا نے یہ اصول بھی بنا یا تھا کہ اگر کوئی طالب علم عدم مناسبت یا عدم دلچسپی کی وجہ سے معقولات نہ پڑھے لیکن دینیات کی درسی کتابیں تمام کرے تو اس کو سند سے محروم نہ رکھا جائے بلکہ سند میں بجائے "درسیات" کے (جو معقولات و دینیات کی جملہ کتب پر حاوی ہے) "دینیات" لکھا جائے۔

بزرگانِ عصر کی خدمت میں

حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کو حضرات اہل اللہ سے خاص عقیدت اور محبت تھی۔ فرماتے تھے کہ ان بزرگوں کے ناموں سے بھی تازگی اور قلب میں نور پیدا ہوتا ہے بزرگوں کے تذکرہ کو اس درجہ نافع سمجھتے تھے کہ "نزہۃ البساتین" کے نام سے ایک ہزار حکایات جمع کر کے شائع کروایا۔ اور بہت وثوق سے فرماتے تھے کہ یہ حضرات عشاق تھے " ممکن نہیں کہ ان کے حالات پڑھے جائیں اور قلب میں

محبت الٰہی پیمانہ ہو" خود اپنے متعلق بارہا فرمایا کہ "نہ کبھی طالب علمی میں میں نے محنت کی نہ اس طریق میں کبھی مجاہدات و ریاضات کیئے۔ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے سب اپنے حضرات اساتذہ و مشائخ کی دعاء و توجہ اور میری طرف سے غایت درجہ ادب و عقیدت کا ثمرہ ہے۔" بالخصوص اس وقت جب حضرت اقدس اپنے شفیق اساتذہ کے کمالات، ان کی علمی تحقیقات اور باطنی کیفیات کا ذکر فرماتے تو آپ پر ایک وجد کی سی کیفیت طاری رہتی تھی، اور دیر تک یہی حال قائم رہتا تھا۔ پھر یہ شعر پڑھتے

اولٰئک آبائی فجئنی بمثلهم، اذا جمعتنا یا جریر المجامع

حضرت اقدس اپنے وقت کے سارے بزرگان دین سے ملے، اور ہر ایک سے دعاء و توجہ، لطف و عنایت کے ذریعہ استفادہ کیا ہے ؎

" تمتع ز ہر گوشۂ یافتم" چنانچہ حضرت مولانا رفیع الدین صاحبؒ مجددی (مہتمم مدرسۂ دیوبند) کے حلقۂ توجہ میں شریک رہے ہیں، اور فرماتے تھے کہ "اس قدر اثر محسوس ہوتا تھا جیسے بالکل پاک صاف ہو گیا ہوں۔" مولانا قدس سرہٗ کے ساتھ حضرت نے سرہند پہنچکر شیخ مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے مزار کی زیارت فرمائی۔ اور واپسی میں ریاست پٹیالہ میں ان مقامات کی بھی زیارت کا شرف ملا جہاں (بربنائے کشف) بعض حضرات انبیاء علیہم السلام کے مزارات ہیں۔ مولانا قدس سرہٗ کو حضرت سے اس درجہ محبت تھی کہ مدتوں آپ سے اپنی مسجد میں امامت کروائی۔ اسی طرح آپ شاہ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادیؒ اور شاہ ابو حامد صاحب

بھوپالی (جو سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ کے آفتاب تھے) کی زیارت سے بھی مشرف ہوئے ہیں۔ ان دو بزرگانِ عصر نے خاص برتاؤ فرمایا ہے اول الذکر بزرگ سے تو اس درجہ محبت بڑھی کہ انہوں نے آپ کو اپنے وہ احوال بھی سنائے جو اوروں سے بیان نہ فرماتے تھے۔ مثلاً فرمایا کہ "کہنے کی تو بات نہیں لیکن تم سے کہتا ہوں کہ جب سجدہ میں جاتا ہوں تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے پیار کر لیا۔" یہ بھی فرمایا کہ "بھائی جنت کا مزہ برحق۔ لیکن نماز میں جو مزہ ہے کسی چیز میں نہیں بھائی! ہم تو قبر میں بس نماز پڑھا کریں گے۔ دعا رہے کہ ہمیں تو اللہ میاں قبر میں یہ اجازت دیں کہ بس نماز پڑھے جاؤ۔"

صوفی شاہ سلیمان صاحبؒ لاجپوری ایک مشہور بزرگ ہوئے ہیں خود ان بزرگ نے حضرت سے کئی بار ملاقات فرمائی۔ ایک مرتبہ حضرت رانڈیر سے سورت جا رہے تھے اور صوفی صاحب سورت سے رانڈیر۔ راستہ میں ایک پل پر دونوں کی ملاقات ہوئی۔ صوفی صاحبؒ رانڈیر پہنچ کر دیر تک ایک مسجد میں بیٹھے روتے رہے۔ اور کسی کے استفسار پر حضرت کا نام لے کر فرمایا کہ "نہ جانے آنکھوں نے کیا کر دیا" حضرت مولانا شیخ محمد صاحبؒ تھانوی (جو ایک جید عالم اور حضرت حاجی امداد اللہ صاحب علیہ الرحمہ کے پیر بھائی تھے) لڑکپن ہی میں جب حضرت کو دیکھا تو فرما دیا تھا "میرے بعد یہ لڑکا ہوگا" چنانچہ دنیا نے دیکھ لیا کہ یہی ہوا۔ مولانا محمد یعقوب صاحب قدس سرہٗ نے تو (جو مدرسہ دیوبند کے مدرس

اول، حضرت حاجی صاحبؒ کے خلیفہ، رشید اور حضرت کے استاذ تھے، اپنے شاگرد کو خوب دیکھا تھا۔ آپ کے زمانہ طالب علمی ہی میں حضرت قدس سرہٗ نے یہ فرما دیا تھا۔ خدا کی قسم جہاں تم جاؤ گے بس تم ہی تم ہو گے۔ سچ ہے قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ سے دنیائے اسلام ناواقف نہیں۔ اپنے وقت کے محقق، عالم اور اہل دل کے نزدیک مسلمہ طور پر قطب ارشاد تھے، چونکہ اولاً حضرت نے آپ ہی سے بیعت کی درخواست کی تھی اس لئے تا آخر حیات آپ کے ساتھ شیخ ہی کا سلوک فرماتے رہے۔ اور واقعی حضرت کو آپ سے بڑی عقیدت و محبت تھی۔ فرماتے تھے: "میں نے ایسا جامع ظاہر و باطن، بزرگ کوئی نہیں دیکھا۔ اور لوگوں کے ساتھ تو میری عقیدت استدلالی ہے اور مولانا (رشید احمد گنگوہیؒ) کے ساتھ غیر استدلالی دلائل سوچنا بھی خلاف ادب سا معلوم ہوتا ہے"۔ قیام تھانہ بھون کے وقت حضرت تھانویؒ کے مواعظ و مشاغل کا حال سنکر بہت خوش ہوتے اور فرمایا کرتے تھے "یہ سب کچھ ہے مگر مجھے تو پوری خوشی اس وقت ہو گی جب کچھ اللہ اللہ کرنے والے بھی وہاں جمع ہونے لگیں"۔ حق تعالیٰ نے اپنے اس محبوب بندہ کی آرزو بھی پوری کر دکھائی اور خوب ہی پوری فرمائی۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ سے آج کا ہر مسلمان واقف ہے۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے خلیفہ خاص اور بانی دار العلوم حضرت مولانا قاسم صاحبؒ کے شاگرد خاص تھے

ہمارے حضرت کے استاذ تھے اور اپنے شاگرد کا اس درجہ احترام فرماتے تھے کہ "سراپا فضل و کمال اور معدن حسنات و خیرات" کے عنوانات سے مخاطب کرتے تھے۔ شیخ الہند اور حضرت میں جو سیاسی اختلاف رائے رہا ہے وہ عالم آشکار ہے بعض بدخواہوں نے اس سے فائدہ اٹھا کر حضرت شیخ الہند کو آپ سے برگشتہ کرانا چاہا۔ تو آپ نے جواب دیا، "افسوس تم ایسے شخص کی شکایتیں کرتے ہو جس کو میں ایسا ایسا (مجدد الملت نے ازراہ تواضع وہ الفاظ نہیں بتائے) سمجھتا ہوں۔ میں جو کچھ کر رہا ہوں کیا مجھ پر کوئی وحی آتی ہے۔ میری ایک رائے ہے اور ان کی ایک رائے۔ اس میں اعتراض و شکایت کی کیا بات ہے۔"

اسی دور کے ایک اور بزرگ مولانا خلیل احمد سہارنپوری ہیں۔ حضرت گنگوہی قدس سرہ کے خلیفۂ اعظم اور علم و عمل میں اپنی نظیر آپ تھے۔ حضرت تھانوی کے متعلق فرماتے تھے "مجھ کو اشرف سے اس وقت سے محبت ہے جس وقت ان کو خبر بھی نہ تھی" آپ کے مواعظ کے متعلق یہ رائے رکھتے تھے۔ ان کے بیان میں (مراد مواعظ) انگلی رکھنے تک کی گنجائش نہیں۔ ان کے ہوتے ہوئے کسی کا وعظ کہنا منھ چڑانا ہے۔

یہ تو چند بزرگوں کا بالکل اجمالی تذکرہ ہوا جو مطلع شہرت کے درخشندہ ستارے ہیں۔ ان کے علاوہ اور اکابر وقت مثلاً مولانا عبدالحی صاحب فرنگی محلی مولانا محمد نعیم صاحب فرنگی محلی۔ مولانا

خلیل پاشا صاحب مکی قدس سرہٗ اور دیگر بیسیوں بزرگان دین سے
ملاقاتیں رہی ہیں۔ اور حضرت نے ان کے لطف و کرم کو اپنی جانب
مبذول کرایا ہے اور وہ حضرت کے علم و اخلاص سے متاثر ہوئے ہیں
۔ اہل حق میں یہ قبولیت اللہ تعالیٰ کی دین ہے۔ ذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ
يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ

شیخ دوراں سے تعلق اور بیعت رحمہ اللہ

گزر چکا کہ مجدد الملت کی پیدائش ایک مجذوب حضرت حافظ
غلام مرتضےٰ صاحبؒ کی دعاؤں کا نتیجہ تھی۔ اور انہی بزرگ نے آپ کا
نام "اشرف علی" رکھا تھا۔ اور آخر وقت تک اپنی محبت و توجہ سے سرفراز
کرتے رہے۔ یہی وجہ تھی کہ غیر شعوری طور پر حضرت میں عشق کی جلوہ آرائیاں
پائی جاتی تھیں۔ ایک بار قطب ارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب
گنگوہیؒ کسی ضرورت سے دیوبند تشریف لائے تو حضرت ایک ہی نظر
میں گھائل ہو گئے۔ اشتیاق سے مصافحہ کے لئے آگے بڑھے۔ شوق نے
بے قابو کر دیا تھا۔ پاؤں بے اختیار پھسل پڑا حضرت قدس سرہٗ
نے تھام لیا۔ گو بیعت اور اس کی حقیقت سے ناآشنا تھے۔ مگر کشش
اس بلا کی ہوئی کہ بیعت کی درخواست پیش کر دی۔ حضرت قدس سرہٗ
نے دوران تعلیم اسکو مناسب نہ سمجھا اور انکار فرما دیا لیکن خاطر

اشرف میں یہ خیال بصورت حسرت برابر پرورش پاتا رہا۔ اور جب ۱۲۹۹ھ میں حضرت گنگوہیؒ عازم حج ہوئے تو خود انہی کے ذریعہ شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہٗ کی خدمت میں عریضہ گذارا تاکہ "آپ مولانا سے فرمادیں کہ مجھ کو بیعت کرلیں" نہ جانے دونوں عرفاء میں کیا راز و نیاز رہا۔ بظاہر یہی ہوا کہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ نے جواب میں خود ہی بیعت فرمالیا۔ اس وقت مجدد الملت کی عمر ۱۹ سال کی تھی۔

حضرت مجدد الملت تو ابھی پیدا بھی نہ ہوئے تھے کہ شیخ العرب والعجم قدس سرہٗ نے مکہ معظمہ کی سکونت حاصل کرلی تھی۔ لیکن جب بصیرت کی آنکھ کھل جاتی ہے تو زمان و مکان کے سارے حجابات اٹھ جاتے ہیں۔ عارف باللہ حضرت حاجی صاحبؒ نے وہیں سے تھانہ بھون کے اس درشہوار کا جلوہ دیکھ لیا تھا۔ ابھی طالب علم ہی تھے کہ حضرت قدس سرہٗ نے آپ کے والد ماجد کو کہلا بھیجا تھا کہ "تم حج کو آؤ اور جب آؤ تو اپنے بڑے لڑکے کو لیتے آؤ"۔

غرض شوال ۱۳۰۱ھ میں جب۔ کہ مجدد الملت طالب علمی کی زندگی ختم فرماکر کانپور میں اشاعتِ علوم میں مصروف تھے۔ سفر حج کے سامان پیدا ہو گئے۔ (تفصیل کے لئے دیکھو اشرف السوانح) حضرت والا اپنے والد ماجد کی معیت میں زیارت حرمین شریفین کے لئے روانہ ہوئے۔ جوش کا یہ عالم تھا کہ جب کسی ملاقاتی نے آپ کے والد

ماجد سے سمندر کے طلاطم کا ذکر کیا تو فوراً کہہ اٹھے ؎

چہ غم دیوار امت را کہ باشد چوں تو پشتی باں - چہ باک از موج بحر آں را کہ دارد نوح کشتی باں

اسی جذبہ و اشتیاق سے مکہ معظمہ پہنچے. حضرت حاجی صاحب سے نیاز حاصل کیا. شیخ قدس سرہٗ بہت خوش ہوئے دست بدست بیعت کی نعمت سے سرفراز کیا. بعد فراغ حج خود فرمایا کہ "تم میرے پاس چھ مہینے رہ جاؤ" لیکن حضرت والا کے والد ماجد نے مفارقت گوارا نہ کی اور حضرت حاجی صاحبؒ نے بربنائے احترام شریعت فرمایا کہ "والد کی اطاعت مقدم ہے اس وقت چلے جاؤ پھر دیکھا جائے گا" چنانچہ بیس سالہ عمر میں پہلی بار فریضۂ حج سے فارغ ہو کر ۱۳۰۱ھ میں ہندوستان لوٹ آئے. دوران قیام مکہ معظمہ حضرت والا پر ارض پاک کا احترام و ادب اس درجہ غالب رہا کہ وہاں تھوکتے ہوئے بھی تامل ہوتا تھا یہ اور جس وقت بیت اللہ شریف پر پہلی بار نظر پڑی ہے. ایسی کیفیت تضرع و انجذاب پیدا ہوئی کہ خود فرماتے تھے "ایسی کیفیت مجھ پر عمر بھر طاری نہیں ہوئی".

حج ثانی اور صحبت شیخ

عشق کی چنگاری تو پہلے ہی سے موجود تھی. حضرت حاجی صاحبؒ کے تعلق نے اس کو خوب ہوا دی. اور ارض پاک کے قیام نے اس کو خوب بھڑکایا. لیکن واپسی پر بھی اس شعلہ میں سوختہ سامانی کی صفت

نہ آتی تھی، برابر مصروف درس وتدریس اور مشغول تقریر و تحریر رہے سینکڑوں کو عالم بنایا، اور ہزاروں کے دل میں دین کی عظمت بٹھائی اور اس کا سکہ جمایا ـــــ ادھر شیخ کامل سے خط وکتابت برابر جاری تھی اور توجہات شیخ برابر شامل حال تھیں، اندر ہی اندر آگ بھڑک رہی تھی ان احوال کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب ۱۳۰۸ھ سے زندگی نے دوسرا پلٹا کھایا۔ باطنی شغل سے اس درجہ دلچسپی بڑھی کہ سارے تعلقات سے دل سرد ہو گیا۔ اپنے شیخ سے ترک ملازمت کا مشورہ لیا مگر جواب ملا کہ "بہ نامہ بہجت شمامہ آں عزیز بانمیر رسید، از سماع حال ذوق وشوق آثار ترقی فہمیدہ، مسرت بر مسرت افزودہ، حق تعالیٰ برکت زیادہ کندہ بہ خلق اللہ فیض دینی رسانیدن راہ قرب وصول الی اللہ است" (مکتوبات ۲۸ محرم ۱۳۰۸ھ) حضرت اقدس نے حسب ارشاد مرشد درس وتدریس کو جاری رکھا۔ اور ۱۳۱۰ھ تک ضبط وسکون کے ساتھ کام کرتے رہے لیکن اب شوق واضطراب نے مجبور کر دیا۔ اور اپنے شیخ کا وہ ارشاد کہ "میاں اشرف علی تم میرے پاس چھ مہینے رہ جاؤ" کسی پہلو چین نہ لینے دیتا تھا۔ عزم فرمایا اور راہ کھل گئی، پھر کیا تھا مکہ معظمہ کو چل نکلے۔ عجب ذوق وشوق کا عالم تھا۔ قطب عالم حضرت حاجی صاحب تو چاہتے ہی تھے۔ کہ چھ مہینے کے لئے حضرت والا آجائیں دیکھ کر اس درجہ مسرور ہوئے گویا حضرت یعقوب (علیہ السلام) کو یوسف گم گشتہ پھر ہاتھ آ گئے اور بہت ہی عنایات وتوجہات فرمائے

رہے۔ ادھر قوتِ افاضہ کا وہ حال اور ادھر قابلیتِ استفاضہ اس درجہ
کچھ ہی عرصہ میں شاگرد استاذ، مرید و پیر ہم رنگ ہو گئے۔ خود حضرت
شیخ بے ساختہ یہ فرماتے تھے کہ "بس تم پورے پورے میرے طریق
پر ہو" جب مجدد الملت کی کوئی تحریر نظر سے گذرتی یا تقریر سننے میں
آتی تو بے اختیار کہہ اٹھتے جزاکم اللہ، تم نے تو بس میرے سینہ کی
شرح کر دی" علوم معارف سے متعلق کوئی پوچھتا تو مجدد الملت کی
طرف اشارہ کر کے فرماتے ان سے پوچھ یہ خوب سمجھ گئے ہیں"
باطنی مناسبت تو خیر پیدا ہی ہو چکی تھی حضرت شیخ ظاہری
مناسبت کے بھی آرزو مند تھے۔ مجدد الملت کے دورانِ قیام مکہ میں
آپ کی زوجۂ محترمہ اور خالہ صاحبہ بھی وہاں پہنچ گئی تھیں۔ خالہ صاحبہ
نے خدمت شیخ میں عرض کیا کہ "ان کے لئے صاحب اولاد ہونے کی
دعا فرمائیے" حضرت شیخ نے اپنے مرید رشید سے باہر آکر فرمایا "تمہاری
خالہ مجھ سے دعا کے لئے کہتی ہیں کہ تمہارے اولاد ہو۔ سو دعا تو میں نے
کر دی لیکن بھائی میرا جی یہی چاہتا ہے کہ جیسا میں ہوں ویسے ہی تم بھی
رہو۔ جو حالت میری ہے وہی حالت تمہاری بھی رہے"۔ مجدد الملت
نے عرض کیا "جو حالت حضرت کو پسند ہے وہی میں اپنے لئے پسند
کرتا ہوں" یہ سن کر حضرت حاجی صاحبؒ بڑے مسرور ہوئے کہ ہر
اعتبار سے اپنا جانشین مل گیا ۔۔۔ اس سے قطب عالم قدس سرہٗ کے
اس جذبہ کا اظہار ہوتا ہے کہ ان کے قلب اطہر میں مجدد الملت کا

کس درجہ لحاظ تھا اور کس طرح اس امر میں پوری قوت صرف فرمادی تھی کہ وہ آپ کے مثنیٰ بن جائیں۔ اور کبھی دنیا یہ نہ کہہ سکے کہ "من دیگرم تو دیگری" یہ اختصاص کسی اور مرید یا کسی اور خلیفہ کے حصہ میں نہیں آیا۔ دوران قیام مکہ معظمہ مجدد الملت پر "توحید" کا انکشاف بدرجۂ کمال ہوا۔ جو شریعت و طریقت کی اساس اور درویشی کا ماحصل ہے۔ اور جس کا لازمی نتیجہ "عبدیت" ہے۔ جو سلوک کا اعلیٰ ترین مقام ہے۔ اور یہی وہ دولت ہے جو حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ کا خاص حصہ تھی۔ غرض چھ مہینے سے ایک آدھ ہفتہ کم قیام کے بعد مجدد الملت نے اپنے شیخ کامل سے رخصت چاہی حضرت شیخ نے دو وصیتیں بطور خاص فرمائیں:- (۱) دیکھو میاں اشرف علی ہندوستان پہنچکر تم کو ایک حالت پیش آئے گی۔ عجلت مت کرنا (۲) کبھی کانپور کے تعلق سے دل برداشتہ ہو تو پھر دوسری جگہ تعلق نہ کرنا توکلاً علی اللہ تھانہ بھون جاکر بیٹھ جانا گویا ۱۳۰۱ھ میں جس ترک تعلق کو منع فرمایا تھا اب بعد حصول "تمکن" خود اس کے ترک کا مشورہ دے رہے ہیں۔ ان وصیتوں اور باطنی دولتوں کو لے کر حضرت مجدد الملت ۱۳۱۰ھ میں پھر وطن لوٹ آئے۔

واپسی اور قیام وطن

مکہ معظمہ گئے تھے اس حالت سے کہ شباب پھٹا پڑتا تھا اور دولہا سے بنے رہتے تھے۔ اور شش ماہا قیام کے بعد جب لوٹے ہیں تو

عشق کے ہاتھوں وہی حال ہو گیا تھا جس کا اظہار زمانہ طالب علمی میں خود ہی یوں فرما چکے تھے ؎

عشق می سازو زماں و جاں جدا ۔ عاشقاں را نیست مطلوب جز خدا
عشق عاشق را کند زار و نزار ۔ عشق عاشق را کند رسوا و خوار
عشق سازد زرد روئے عاشقاں ۔ ہم کند ژولیدہ موئے عاشقاں
عشق معشوق ست مرعشاق را ۔ من ہوی العشق ہم فانوا ایطلے

۷ کانپور میں ۱۳۱۵ھ تک قیام

ہندوستان پہنچکر پھر مدرسہ جامع العلوم کانپور میں مصروف درس و تدریس ہوئے۔ مگر کچھ ہی عرصہ گذرا تھا کہ پھر کیفیت شوقیہ الٰہیہ نہایت جوش و خروش سے وارد ہوئی لیکن اب کی دفعہ اس میں کلفت کے عوض لذت اور ناگواری کے بدلے خوشگواری تھی حضرت شیخ کی خدمت میں حاضری سے قبل کی کیفیت شوقیہ سیر الی اللہ کا نتیجہ تھی۔ اور موجودہ کیفیت "سیر فی اللہ" کے باعث تھی۔ وہ حالت مشاہدہ سے قبل کی تھی اور یہ بعد کی۔ وہ اثر عشق تھا یہ اثر حسن۔ بقول حضرت مجدد الملت، اس زمانہ میں یہ حال تھا کہ جی چاہتا تھا کہ ساری دنیا کو ذاکر و شاغل اور ولی کامل بنا دوں"۔ چنانچہ شروع شروع جوش افاضہ سے حلقہ توجہ بھی منعقد فرمانے لگے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سارا مدرسہ

کانپور ذاکر و شاغل بن گیا تھا۔ اس کی اطلاع جب حضرت شیخ کو ہوئی تو جواب آیا۔ ماشاء اللہ آپ اور آپ کے متعلقین کے ذوق و شوق کی کیفیت سن کر طبیعت نہایت ہی خوش ہوئی۔ اللہ تعالیٰ بایں ذکر و شغل دائم مشغول رکھے دن بدن ترقی در ترقی عطا فرمائے۔ مقصود اصلی تک پہنچائے۔ آمین ثم آمین۔" لیکن یہ کیفیت بھی عارضی نکلی۔ اور جب مقامات میں رسوخ بڑھتا گیا تو اس "شوق" نے دوسرا ہی رنگ اختیار کیا یعنی متوقع مقامات کی طلب شدید ہوئی اور پھر ویسی ہی اضطرابی اور انتہائی کیفیت رونما ہوئی جیسی قبل قیام مکہ ہوئی تھی۔ لیکن دونوں کی اصل میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ پہلی کیفیت طلب ابتدائی کا نتیجہ تھی اور موجودہ کیفیت طلب "مزید" کا۔ اور اسی وجہ سے اب کی دفعہ حیرانی و پریشانی اور سخت لاحق ہوئی۔ یہ وہی کیفیت تھی جس کی پیشین گوئی حضرت شیخ نے اپنی پہلی وصیت میں فرمائی تھی۔ سارے مشاغل سے دل اُچاٹ ہو گیا۔ درس تدریس سے دلچسپی ختم ہوئی۔ وعظ کہنا چھوڑ دیا۔ اور یکسوئی اختیار کرلی۔ اہل کانپور جو مجدد الملت کے وعظ کے پیاسے تھے مچلنے لگے۔ ایک دفعہ بڑا جلسہ تھا۔ بیرونی حضرات علماء بھی تشریف لائے تھے ارکین مدرسہ ان علماء کو لے کر حضرت کی خدمت میں آئے۔ اور وعظ کے لئے اصرار کیا۔ اکابر علماء کو دیکھ کر نہ انکار بن پڑتا تھا نہ اپنی حالت کے مد نظر اقرار ممکن تھا۔ جب کچھ بن نہ پڑا تو گردن جھکالی۔ اور آنسوؤں کی زبانی اپنا حال سنانے لگے۔ یہ دیکھ کر مولانا ظہور السلام فتحپوری

کا دل پگھل گیا۔ اور بے ساختہ یہ شعر زبان سے نکلا ؎
عشق نے غالب نکمہ کر دیا ٭ ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے ٭ پھر اپنے
ساتھیوں سے کہا "بس بھائی بس! اب انہیں اپنے حال پر چھوڑ دو
تنگ نہ کرو" ایک اور موقع پر جناب مولوی شاہ سلیمٰن صاحب پھلواری
تشریف لائے ہوئے تھے۔ ان سے بھی لوگوں نے اصرار کرنے کے لئے کہا
تو انہوں نے عجیب جواب دیا۔ اگر ایسی حالت میں اس شخص سے وعظ
کہلوایا تو بس ممبر پر بیٹھتے ہی اس کے منہ سے پہلا لفظ جو نکلے گا وہ
"انا الحق" ہوگا۔ ایسی حالت میں اصرار ہرگز مناسب نہیں"۔ اس کی
تصدیق خود حضرت نے بھی فرمائی کہ "اس زمانہ میں مجھ پر توحید کا بہت
غلبہ تھا۔ اس لئے میں نے وعظ کہنا چھوڑ دیا تھا کہ نہ جانے منہ سے
کیا نکل جائے۔ اور عوام کو غلط فہمی ہو کر دینی نقصان پہنچے"۔ مگر اس
غلبۂ حال میں بھی مصلحت عامہ کا یہ خیال نادرات سے ہے۔
غرض یہ کیفیتِ اضطراب بڑھتی ہی چلی گئی۔ پیرجی امداد علی صاحب
کانپور ہی میں تھے۔ اور موصوف نے بہتیری تدبیر کی مگر ؎ مرض بڑھتا گیا
جوں جوں دوا کی ٭ آخر جب اضطراب والتہاب حد سے گذرنے لگا تو
ایک عریضہ اپنے شیخ عالی مرتبت کی خدمت میں بھجوایا اور اس میں
عرض کیا کہ حالت اضطرار میں پیرجی امداد علی صاحب سے بھی چارہ
جوئی کی لیکن حاصل کچھ نہ ہوا۔ جب یہ عریضہ شیخ باکمال قدس سرہٗ کی
خدمت میں پہنچا۔ تو حضرت حاجی صاحب کبھی گھر کے اندر تشریف

لے جاتے کبھی باہر نکل آتے اور بار بار فرماتے کہ جوان آدمی ہیں،
غلبہ ہو گیا ہے۔ تحمل نہیں ہو سکا مگر میں تو اتنی دور ہوں کیا کروں؟ اس
پرچہ صاحب عریضہ لے گئے تھے انہوں نے عرض کیا کہ حضرت میں جلد ہی
جانے والا ہوں۔ بس یہ سن کر حضرت قطب عالم مسرور ہوئے اس
عریضہ کا جواب ان کے حوالہ کیا۔ اور فرمایا ان سے کہنا کہ جب تک تمہارا
یہ خادم زندہ ہے کیوں کسی دوسرے کی طرف رجوع کرتے ہو، جب
یہ صاحب ہندوستان لوٹے اور حضرت مجدد الملت کو ان کے کانپور
آنے کی اطلاع ملی تو مشتاقانہ عین دوپہری کے وقت ان کے گھر پہنچے۔
انہوں نے والانامہ پہنچایا۔ اور زبانی پیام بھی۔ اس سے جو اثر ہوا اس
کا حال خود حضرت اقدس یوں بیان فرماتے ہیں "قبل ظہر انہوں نے
مجھے حضرت کا یہ پیغام سنایا تھا۔ بس سنتے ہی ایسا معلوم ہوا
جیسے دہکتے ہوئے تنور پر کسی نے بھری ہوئی مشک چھوڑ دی ہو۔
اور جلتے ہوئے سینہ پر برف کا ٹکڑا رکھ دیا ہو۔ عصر تک نصف سے
بھی کم پریشانی رہ گئی اور مغرب تک تو بس بالکل مطلع صاف تھا،
اس طرح "شوق" کی کیفیت "انس" میں بدل گئی۔ اور یہ "انس" اس
انس سے ارفع تھا جو پہلی مرتبہ کے غلبۂ شوق کے بعد (حضرت
شیخ کی خدمت میں حاضری سے قبل) حاصل ہوا تھا۔ مشہور ہے کہ
"ہر کہ از حق انس گیرد از خلق وحشت گیرد" رفتہ رفتہ مجدد الملت کو
تعلقات سے وحشت شروع ہوئی اور دن بدن ایسی ترقی ہوئی

چلی گئی یہاں تک کہ کانپور جیسے محبوب مقام، اپنے قائم کردہ مدرسہ اور درس و تدریس سے بھی برداشتہ خاطر ہو گئے۔ حضرت شیخ کی نصیحت یاد آئی کہ اگر کبھی کانپور سے دل برداشتہ ہو جاؤ تو پھر توکلاً علی اللہ تھانہ بھون ہی جاکر بیٹھ جانا"۔ ۱۳۱۴ھ کے ختم پر اب ٹھان لی کہ خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون کو جو "دکانِ معرفت" کہلاتی تھی دوبارہ مسکن بنایا جائے لیکن کانپور کے فریفتہ و گرویدہ لوگوں سے بے مروتی تو نہ برتی جا سکتی تھی، اپنی خداداد فراست سے کام لیا۔ اتفاقاً ان دنوں مدرسہ کی مالی حالت کچھ خراب ہو چلی تھی، اس بہانے سے پہلے تنخواہ سے دست برداری حاصل کی۔ پھر اپنی جگہ مولوی اسحاق صاحب بردوانی کو مدرس اول بنایا اور خود برائے نام سرپرستی قبول فرمائی۔ اس طرح پورے حسن تدبیر سے مدرسہ کو ہر طرح کے نقصان و حرج سے بچاتے ہوئے اور اہل کانپور سے کچھ دن آرام لینے کا عذر کر کے آخر صفر ۱۳۱۵ھ میں خوش خوش کانپور سے چل نکلے۔ تھانہ بھون آکر حضرت شیخ کو مطلع فرمایا۔ تو جواب آیا" بہتر ہوا کہ آپ تھانہ بھون تشریف لے گئے۔ امید ہے کہ آپ سے خلائق کثیرہ کو فائدہ ظاہری و باطنی ہوگا اور آپ ہمارے مدرسہ و مسجد کو از سر نو آباد کریں میں ہر وقت آپ کے حال میں دعا کرتا ہوں اور خیال رہتا ہے" (مکتوب ۳۶ ۱۲ ربیع ۲ ۱۳۱۵ھ)

ادھر مدرسہ کانپور کے حالات وقتاً فوقتاً دریافت فرماتے رہے اور ہدایات دیتے رہے، تاکہ اہل کانپور کو ترک تعلق کا گمان نہ گذرے

مگر جب دیکھا کہ مدرسہ کی مشین ٹھیک ٹھیک نہج پر چل رہی ہے اور
اب اظہار عزم سے اس میں خلل کا اندیشہ نہ رہا تو لکھ بھیجا کہ "از قیل
وقال مدرسہ حالے دلم گرفت"، "یک چند نیز خدمتِ معشوق می کنم۔
اہل کانپور کو جب یہ خبر ملی تو عرض کی کہ مدرسہ کا کوئی کام حضرت کے
ذمہ نہ ہوگا لیکن قیام تو کانپور ہی میں رہے۔ حضرت والا نے بتا دیا کہ
جو کچھ کیا ہے حضرت حاجی صاحبؒ کے حکم سے ہے۔ ان لوگوں نے پھر
حضرت حاجی صاحب سے آپ کے قیام کانپور کی اجازت چاہی۔ لیکن
حضرت قدس سرہٗ نے ان کو اور مجدد الملت کو یہ لکھ بھیجا کہ "فقیر کے
نزدیک مستقل قیام آپ کا تھانہ بھون میں ضروری ہے باقی تعطیل
وغیرہ کسی فرصت میں یا جس وقت طبیعت کچھ گھبرائے تو کانپور کا
دورہ کریں۔ اور ان لوگوں کی خبر گیری کریں اور طالب کے لئے تو
تھانہ بھون کانپور سے کچھ دور نہیں"۔

۱۳۱۵ھ سے مستقل قیام تھانہ بھون

۱۳۱۵ھ سے مجدد الملت کا وہ دور شروع ہوتا ہے جو تا آخر
حیات باقی رہا یعنی مستقل قیام تھانہ بھون۔
مجدد الملت اسی "دکانِ معرفت" میں پہنچکر جس کی رونق حضرت
حاجی صاحبؒ کی ہجرت اور حضرت حافظ ضامن صاحبؒ و مولانا

شیخ محمد صاحبؒ کی شہادت و رحلت کے باعث ماند ہو چکی تھی پھر باعث فروغ رونق ہوئے۔ کانپور کو ترک کیا، درس و تدریس سے چھٹی لے لی۔ والد ماجد کے ترکہ کو مشتبہ پا کر خیر باد کہا۔ اپنے شیخ عالی مرتبتؒ کی نصیحت اور استاذ ذی معرفت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی تسلی سے بالکل متوکلاً علی اللہ ہمہ تن مشغول بحق ہو گئے، پھر کیا تھا، کبھی تجلی جمال سے سکینت پاتے۔ اور کبھی تجلی جلال سے "برق تپاں" بن جاتے "صبغۃ اللہ کا رنگ چڑھتا رہا۔ جو آتے گئے ان کو بھی اسی رنگ میں ڈبوتے گئے۔ خانقاہ کی رونق میں چار چاند لگ گئے۔ اس دور میں رنگ ہی اور تھا، خود سراپا سوز و گداز تھے اس لئے جو بھی آجاتا سوختہ گداختہ بن جاتا ـــــ سلوک کی منزلیں طے ہوتی رہیں حق تعالیٰ کو منظور ہوا کہ اپنے اس بندہ کو اعلیٰ ترین مقام پر فائز کرے اور اس راہ کی دشواریوں سے واقف کرائے تاکہ اس کے بندوں کی رہبری میں سہولت ہو اور ان کو لے چلنے میں حیرانی نہ رہے ـــ ایک مرتبہ پچھلی رات کو تہجد کے لئے وضو کرتے ہوئے یک بیک بلا اختیار ایک خطرۂ منکرہ کا ورود ہوا۔ جس کا حاصل چند الفاظ تھے۔ جو دفعۃً متخیلہ میں واقع ہو گئے۔ گو یہ کوئی نئی بات نہ تھی۔ لیکن اس مرتبہ اس درجہ شدید و مدید اثر ہوا، کہ حضرت والا اپنی زندگی ہی سے بیزار ہو گئے یہاں تک کہ خودکشی تک کے وسوسے آنے لگے۔ چنانچہ خود فرماتے تھے۔ ایک بار ایک صاحب ملنے آئے ان کے پاس اس وقت

بھری ہوئی بندوق تھی، بار بار میرے جی میں آتا تھا کہ ان سے کہدوں کہ خدا کے لئے فیر کر کے میرے ناپاک وجود سے دنیا کو پاک کردو کیونکہ میں فرعون و ہامان سے بھی بدتر ہوں۔ وہ جس بلا میں مبتلا ہیں اس سے ایمان لاکر ایک منٹ میں چھٹکارا ہو سکتا ہے۔ اور میں جس بلا میں مبتلا ہوں اس سے سالہا سال میں بھی خلاصی ممکن نہیں۔

حالت تو یہ تھی اور ساتھ ہی ساتھ دوہری مشکل یہ کہ خود بقول حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ اگر ذکر کرنے بیٹھتا (جو کہ قرب کی حالت تھی) تو ساتھ کے ساتھ وہ خطرۂ منکرہ بھی عود کر آتا اور اگر عود خطرہ سے بچنے کی غرض سے ذکر کو منقطع کرنا چاہتا (جو کہ بُعد تھا) تو اس کو بھی کسی طرح دل گوارا نہ کرتا تھا، گویا یہ حالت تھی ؎

من شمع جاں گدازم تو صبح دل کشائی ۔ سوزم گرت نہ بینم میرم چو رخ نمائی
نزدیک آں چنانم دور آنچناں کہ گفتم ۔ نے تاب وصل دارم نے طاقت جدائی

غرض سخت کشمکش میں مبتلا تھا اور ایسی شدید حالت تھی کہ باوجود صحتِ بدنی کے موت کو حیات پر ہزار درجہ ترجیح دیتا تھا"۔ حسن اتفاق سے یہ خطرہ تہجد کے وقت قیام گنگوہ میں واقع ہوا تھا فوراً قطب ارشاد حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ کی خدمت میں پہنچکر حالت عرض کی۔ ارشاد ہوا، "التفات نہ کیا جائے"۔ مجدد الملت تھانہ بھون تشریف لے آئے لیکن وہ خطرۂ منکرہ برابر زور ہی پکڑتا گیا۔ جس سے انفعالی کیفیت بڑھتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ اختلاج قلب

کے ایسے شدید دورے پڑنے لگے کہ چند ہی دنوں نہایت نحیف و کمزور کر دیا ۔ حکیم مولوی محمد صدیق صاحب گنگوہی اتفاقاً تھانہ بھون آئے ہوئے تھے۔ ان سے بغرض معالجہ رجوع کیا۔ حکیم صاحب نے قارورہ دیکھ کر کہا: "مجھے حیرت یہ ہے یہ شخص زندہ کیونکر ہے قارورہ صاف ظاہر کر رہا ہے کہ حرارت غریزیہ بالکل فنا ہو چکی ہے"۔ بہتیرا علاج کیا، لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا، اور فائدہ کس طرح "درد ہی وہ تھا جس کا علاج بجز "خزانہ غیب" کے اور کہیں نہ تھا۔ حکیم الامت نے خانقاہ چھوڑ کر سفر اختیار کیا۔ کبھی کبھی خالی بندوق لے کر فیر کرتے اور اسی سے فرحت پاتے۔ اس دوران میں حضرت گنگوہی سے برابر ملتے رہے اور اپنی حالت پیش فرماتے رہے حضرت گنگوہی تو "امام فن" اور "قطب ارشاد" تھے۔ دعاء و توجہ صرف فرمائی نہیں جواب ہمیشہ وہی دیتے رہے کہ "خطرات کی طرف التفات نہ کرو"۔ ساتھ ہی ساتھ حکیم الامت رحمہ اللہ نے اپنے شیخ باکمال کو بھی ان احوال سے آگاہ فرمایا جواب آیا: "الحمد للہ آپ کے قلب کی حالت بہت اچھی ہے یہ مقام خوف و رجا ہے۔ اسی کو ہیبت و انس کہتے ہیں کبھی ہیبت، کبھی انس کا غلبہ ہو جاتا ہے، دونوں کو ایک سمجھنا چاہیئے۔ فقیر دعاء کرتا ہے جو کچھ قلب پر وارد ہو منجانب اللہ خیال کرو، جو واردات مضر ہوں گے اس مراقبہ سے سب دفع ہو جائیں گے اس قسم کی گھاٹیاں طالب کو آیا کرتی ہیں۔ انشاء اللہ سب سے

پار ہو جاؤ گے" (مکتوبات ۴۴ تا ۴۶ رجب و شعبان ۱۳۱۶ھ) پھر مکتوب ۴۹ ۱۵ / محرم ۱۳۱۷ھ میں تحریر فرماتے ہیں: "آپ کی حالت اب بحمد اللہ بہت اچھی ہے۔ فقیر دعا کرتا ہے اللہ تعالیٰ ترقی فرمائے" غرض تقریباً ایک سال تک یہ "غلبۂ ہیبت" طاری رہا اور حضرت شیخ کی حیات ہی میں یہ دشوار گذار گھاٹی طے ہو گئی۔ اس ایک سالہ دور میں حضرت مجدد الملت رح کو جو حالت شدیدہ پیش آئی اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک مرتبہ کسی مرید نے اپنی باطنی پریشانیوں کی تفصیل لکھ بھیجی تو جواباً تحریر فرماتے ہیں، "جو جو مضائق و مصائب و عقبات و بلیات آپ نے لکھی ہیں یہ تو ننانوے حصوں میں سے ایک حصہ بھی نہیں جو بعض کو پیش آتے ہیں۔ اس وقت مجھ کو بعض (مراد خود حضرت مجدد الملت رح) کے احوال یاد آ گئے اور سر سے پاؤں تک اس نے مجھے ہلا دیا" (۱۰ / محرم ۱۳۳۳ھ) یعنی غلبۂ ہیبت کے فرو ہونے کے پندرہ برس بعد بھی محض اس وقت کے تصور نے سر سے پاؤں تک ہلا دیا۔ اب اندازہ لگاؤ خود اس وقت کیا گذری ہوگی ـــــ اہل فن جانتے ہیں کہ اس "قبض شدید" کے بعد کس قدر اعلیٰ درجہ کا "بسط" اور اس "ہیبت" قویہ کے بعد کتنا لازوال اور ترقی پذیر "انس" حاصل ہوگا اور کیسا "رسوخ و تمکن" میسر آیا ہوگا۔ کیونکہ یہ عادت جاریہ ہے الحاصل حضرت مجدد الملت کو وہ مرتبہ عطا ہوا جس کو "عبدیت" سے تعبیر کیا جاتا ہے جس کی لازمی صفت بندگی

اور رہمر افگندگی ہے۔ ذیل میں ایک ملفوظ درج ہے۔ اس سے حضرت اقدس کے مقام عبدیت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

"بہ قسم کہتا ہوں کہ میں اپنے آپ کو کسی مسلمان سے حتیٰ کہ ان مسلمانوں سے بھی جن کو لوگ فساق و فجار سمجھتے ہیں فی الحال۔ اور کفار سے بھی احتمالاً فی المآل افضل نہیں سمجھتا اور آخرت میں درجات حاصل ہونے کا کبھی مجھے وسوسہ بھی نہیں ہوتا کیونکہ درجات تو بڑے لوگوں کو حاصل ہوں گے۔ مجھے تو جنتیوں کی جوتیوں میں بھی جگہ مل جائے تو اللہ کی بڑی رحمت ہو۔ اس سے زیادہ کی ہوس ہی نہیں ہوتی۔ اور اتنی ہوس بھی بر بنائے استحقاق نہیں۔ بلکہ اس لئے کہ دوزخ کے عذاب کا تحمل نہیں اور یہ جو میں بضرورت اصلاح زجر و توبیخ کیا کرتا ہوں تو اس وقت یہ مثال پیش نظر رہتی ہے کہ جیسے کسی شہزادے نے جرم کیا ہو اور بھنگی جلاد کو حکم شاہی ہوا ہو کہ اس شہزادے کو درے لگائے تو کیا اس بھنگی جلاد کے دل میں درے مارتے وقت کہیں یہ بھی وسوسہ ہو سکتا ہے کہ میں اس شہزادے سے افضل ہوں۔ غرض کوئی کیسا ہی ابد اعمال ہو میں اس کو حقیر نہیں سمجھتا بلکہ فوراً یہ مثال پیش نظر ہو جاتی ہے کہ اگر کوئی حسین اپنے منھ پر کالک مل لے تو اس کو جاننے والا کالک کو برا سمجھے گا لیکن اس حسین کو حسین سمجھے گا اور دل میں کہے گا جب کبھی بھی صابن سے منھ دھولے گا پھر اس کا وہی چاندسا منھ نکل آئے گا۔ غرض مجھ کو صرف فعل سے نفرت ہوتی ہے فاعل سے نہیں ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

مجدد الملت مسندِ ارشاد پر

یوں توحج ثانی کے بعد کانپور ہی سے رشد و اصلاحِ باطنی کا کام شروع ہو چکا تھا۔ اور حضرت گنگوہی قدس سرہٗ بھی اپنے بعض بعض مریدین کو حضرتؒ کی خدمت میں بھیجنے لگے تھے۔ اور پھر تھانہ بھون پہنچکر ذاکرین اور مریدین کی تعداد کافی بڑھ چکی تھی۔ لیکن گذشتہ مرحلہ "ہیبت" کے تقریباً سال بھر میں اصلاحِ خلق کا سلسلہ رک گیا تھا۔ اور خود آپ ہی نے اس یہ کہہ کر ملتوی فرما دیا تھا کہ اس حالت میں کسی کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ لیکن جب اس شدید اور آخری مرحلہ سے بھی حق تعالیٰ نے گذار دیا تو اب "مسندِ ارشاد" پر پھر جلوہ فرما ہوئے۔ اور تربیت کے کام میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ مولانا محمد حسن کاکوریؒ مشہور نعت گو کے فرزند مولانا انوار الحسن صاحب کاکوری کا ایک خواب درج ذیل ہے۔ جس سے حضرت حکیم الامتؒ کے منجانب اللہ اس مقام پر فائز ہونے اور اپنے وقت کے "مجدد" ہونے کی بشارت ملتی ہے۔ خود تحریر فرماتے ہیں:-

میں نے سفر حج میں بمقام مدینہ طیبہ حضرت مولانا تھانوی مدظلہٗ کے متعلق ایک خواب دیکھا۔ حالانکہ اس زمانہ میں مجھ کو حضرت مولانا سے کوئی خاص عقیدت بھی نہ تھی البتہ ایک بڑا عالم سمجھتا تھا۔ اور

میرا خاندان بھی علمائے اہلِ حق کا کچھ زیادہ معتقد نہ تھا۔ غرض حضرت مولانا کا مجھ کو مدینہ طیبہ میں کوئی بعید بھی خیال نہ تھا کہ ایک شب خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم ایک چارپائی پر بیمار پڑے ہوئے ہیں۔ اور حضرت مولانا تھانوی تیمارداری فرما رہے ہیں۔ اور ایک بزرگ دور بیٹھے ہوئے دکھائی دیئے جن کے متعلق خواب ہی میں معلوم ہوا کہ یہ طبیب ہیں۔ آنکھ کھلنے پر فوراً میرے ذہن میں یہ تعبیر آئی کہ حضور تو کیا بیمار ہیں حضور کی امت بیمار ہے۔ اور حضرت مولانا اس کی تیمارداری یعنی اصلاح فرما رہے ہیں لیکن وہ بزرگ طبیب جو دور بیٹھے نظر آئے تھے وہ سمجھ میں نہ آئے کہ کون تھے واپسی ہندوستان پر میں نے حضرت مولانا کی خدمت میں یہ خواب لکھ کر بھیجا اور جتنی تعبیر میری سمجھ میں آئی تھی وہ بھی لکھ دی اور یہ بھی لکھ دیا کہ میری سمجھ میں یہ نہیں آیا کہ وہ بزرگ طبیب کون تھے جو دور بیٹھے ہوئے دکھائی دیئے۔ حضرت مولانا نے تحریر فرمایا کہ وہ حضرت امام مہدی علیہ السلام ہیں۔ اور وہ چونکہ ابھی زماناً بعید ہیں اس لئے خواب میں مکاناً بعید دکھائی دیئے۔"

چنانچہ حضرت اقدس نے تھانہ بھون کے ایک گوشہ میں بیٹھ کر دولت وثروت اور دنیویات کو ٹھکرا کر وہ بادشاہت کی جو کم کسی کے حصہ میں آتی ہے۔ ہندوستان کے شمال وجنوب اور مشرق ومغرب سے لوگ پروانہ وار آئے۔ اور اس شمع ضیاپاش سے اپنی اپنی حیثیت

کے مطابق روشنی کے سامان حاصل کر گئے۔ وہ آئے جن کی پیاس چشموں سے نہ بجھتی تھی اور یہاں آکر چھک گئے۔ لوگوں اور مریدوں کی آمد و رفت کا یہ عالم تھا کہ قصبہ تھانہ بھون کے لئے ایک مستقل ریلوے اسٹیشن بنا دیا گیا۔ اور خانقاہ امدادیہ کی "دکانِ معرفت" پر خریداران علم و عرفان کا وہ ہجوم ہوا جو حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد تاریخ ہند میں شاید اپنی نظیر آپ تھا۔ مریدین و معتقدین سینکڑوں نہیں ہزاروں تھے صرف "مجازین" ہی کی تعداد (۱۲۹) ہے جس میں (۷۰) مجازین بیعت یعنی خلفاء ہیں اور (۵۹) مجازین صحبت ہیں جن کو بیعت کی تو اجازت نہیں لیکن تبلیغ کی اجازت حاصل ہے۔ پھر مذکورہ (۷۰) خلفاء میں نہ صرف وہ ہیں جو کتابی علم دین میں کم دسترس رکھتے ہیں بلکہ وہ بھی ہیں جو اپنے وقت کے علامہ اور اپنے دور کے اساتذہ کامل ہیں، جیسے مرشدی حضرت مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا علامہ سید سلیمان صاحب ندوی رح حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرتسری رح مہتمم مدرسہ جامعہ اشرفیہ لاہور۔ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا خیر محمد صاحب مدظلہ مہتمم خیر المدارس ملتان حضرت مولانا اطہر علی صاحب سلہٹی مدظلہ حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کاملپوری صدر مدرس مظاہر علوم سہارنپور حضرت مولانا عبدالباری صاحب ندوی سابق پروفیسر فلسفہ اسلام

جامعہ عثمانیہ۔

حضرتِ اقدس کو یہ شرف ملا تھا جس طرح حضرت مجدد الف ثانیؒ کے دور میں علماء و اتقیاء آپ کے خوانِ فیض کے زلہ بردار تھے اسی طرح اس دور کے سارے علماء اسی "دکانِ معرفت" کے خریدار تھے ؎

ایں سعادت بزورِ بازو نیست ۔۔۔ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

ضبطِ اوقات و تنظیمِ کار

حالات نے کچھ ایسا پلٹا کھایا ہے کہ دینداری اور لاابالی پن مترادف دکھائی دینے لگے ہیں۔ اور عوام تو عوام اچھے اچھے پڑھے لکھے بھی سمجھنے لگے ہیں کہ دیندار کے پاس نہ کسی ضابطہ کی حاجت ہے نہ قواعد کی حالانکہ ایک سچے مومن ہی کی زندگی نظم و ضبط کا بہترین نمونہ ہو سکتی ہے۔ حکیم الامت کی مجددانہ شان کا یہ وصف بھی بہت ممتاز ہے۔ آپ نے خارجی زندگی اور داخلی زندگی کا ایسا اصولی نمونہ پیش کیا کہ دنیا نے دیکھ لیا کہ اہلِ حق ایسے بھی ہوتے ہیں۔ اور اہلِ فہم نے سمجھ لیا کہ مصلحانِ دین ایسے ہی ہوتے ہیں۔ بعض کم عقلوں نے اعتراض کیا کہ یہ تو بالکل انگریزیت ہے کہ ملنے کے اوقات مقرر، گفتگو کے طور طریق متعین، لیکن ان کے متعلق اس کے سوا کیا کہا جائے ع بریں عقل و دانش بباید گریست، کیونکہ بغیر اس اصولی زندگی کے نہ خود

کو راحت میسر آ سکتی نہ غیر کو۔ نہ اپنی صلاحیتوں سے استفادہ و افادہ
ممکن ہے نہ غیر کی تربیت و اصلاح نہ اپنی صحت و توانائی برقرار رہ سکتی
ہے نہ اس کی افادیت۔ اس لئے خانقاہ امدادیہ میں ان زریں اصول کو جس کا
ماخذ بہرحال اسوہ و ارشادات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے۔
پائمال نہیں کیا جاتا تھا۔

خارجی زندگی

حضرت کے اوقات اس طرح بٹے ہوئے تھے صبح سے ۱۲ بجے
تک اور نماز عصر سے عشا تک کے اوقات اپنے انفرادی امور مثلاً تصنیف
وتالیف وغیرہ کے لئے مخصوص تھے البتہ اس میں یہ استثنیٰ تھی کہ نو وارد
جو پہلی ملاقات کرنا چاہے۔ مقیم جو رخصتی ملاقات کا طالب ہو۔ وہ جس
کو کوئی فوری ضرورت لاحق ہو۔ ۱۲ بجے سے نماز ظہر و قیلولہ تک بالکل
تنہائی کا وقت تھا۔ اور اس میں کوئی استثنا نہ تھا۔ نماز ظہر و قیلولہ
سے فراغت کے بعد نماز عصر تک عام مجلس ہوتی تھی جس میں ہر شخص
شریک ہو سکتا تھا اور بات چیت کر سکتا تھا۔ پھر بعد نماز عشا کسی سے نہ
ملتے تھے۔ لیکن یہ تو ان کے لئے ہوا جو بر ملا اپنے مدعا ظاہر کر سکتے تھے۔
راز اور تنہائی کے طالبوں کے لئے اصول یہ تھا کہ سہ دری میں آویزاں
لیٹر بکس کے اندر یا تو اپنا مدعا لکھ کر ڈال دیں یا اس کے عرض کرنے کے

لئے تعین وقت چاہیں۔ اور ہر دو صورتوں میں اپنا پتہ ضرور لکھ دیں (یعنی خانقاہ کے کس کمرہ میں مقیم ہیں) تاکہ جواب بآسانی وہاں پہنچ جائے نہ سائل کو تکلیف ہو نہ مسئول کو خانقاہ امدادیہ کا یہ بھی اصول تھا کہ کوئی شخص بلا اجازت صاحب خانقاہؒ کی خدمت نہ کرے نہ کوئی ان کے ہمراہ چلے اور نہ راستہ میں کوئی ان سے مصافحہ کرے۔ خود اپنے کام میں مشغول رہے اور حضرت شیخ کو اپنے امور مشاغل میں آزاد رکھے۔

چونکہ پڑھے لکھے اور غیر تعلیم یافتہ، آداب سے واقف اور بے ادب سب ہی طرح کے لوگ آتے تھے۔ اور ہر ایک کو بار بار تنبیہ میں کافی وقت ضائع ہونے کا امکان تھا، اس لئے صحیح تعارف حاصل کرنے کے لئے حضرتؒ نے ایک جدول بنا رکھا تھا تاکہ اس کے مطابق خانہ پری کر کے حضرتؒ کو دیدیں اس کے عنوانات یہ تھے۔

نام وطن اصلی۔ اس وقت کس مقام سے آنا ہوا اور وہاں کی مدت قیام شغل و ذریعہ معاش، کوئی موروثی زمین کے مالک تو نہیں، علمی استعداد اردو، عربی، یا انگریزی کس قدر ہے آنے کا مقصد اصلی کیا ہے۔ محض ملاقات یا کچھ کہنا بھی، لکھ کر دینا یا زبانی، مجمع میں تنہائی میں، کسی سے بیعت ہیں یا نہیں۔ اگر ہیں تو کس سے؟ اگر مجھ سے بیعت ہیں تو اس کو کتنا عرصہ ہوا۔ اور تعلیم کس سے متعلق ہے۔ میرے مواعظ و رسائل کیا کیا دیکھے ہیں۔ اگر مجھ سے کچھ خط و کتابت ہوئی ہے تو وہ پاس ہے یا نہیں اگر ہے تو دکھلائیں کتنا قیام ہوگا۔ کہاں قیام ہوگا۔ خانقاہ میں پہلی مرتبہ آنا ہوا ہے یا پہلے بھی

آئے ہیں یہاں کے انتظام طعام کی خبر ہے یا نہیں یا ہر و الا بڑا اعلان قلمی دیکھ لیا یا نہیں ؟ (یہ وہی اعلان ہے جس میں حضرت کے اوقات فراغت و مصروفیت کی تفصیل ہے)

اس کے علاوہ ہر طبقہ کے افراد کے لئے اصول وضوابط متعین تھے اور سب میں یہی روح کار فرما تھی کہ مرشد و مرید دونوں کو راحت حاصل رہے۔ تضیع اوقات نہ ہو، اور بیجا اختلاط نہ رہے۔ اب کوئی بتائے بغیر اس نظم وضبط کے مجدد الملت رہ وہ کچھ کر سکتے تھے جو انہوں کر دکھایا۔ سینکڑوں کتابوں اور رسالوں میں حقائق و معارف کے ذخائر جمع فرمائے ہزاروں خطوط کے گراں بہا جوابات لکھے سینکڑوں مواعظ کے ذریعہ رشد و ہدایت کے دریا بہائے۔ ان گنت ملفوظات کے ذریعہ طریقت کے عقدے کھولے۔ ہزاروں تشنگانِ حبِ الٰہی کو سیراب کر گئے۔ یہ سب اسی اصولی زندگی کا نتیجہ تھا۔

داخلی زندگی

وعظ و پند اصول وضوابط صرف اغنیار کے لئے نہ تھے گھر کی نجی زندگی میں بھی ان پر نگاہ رکھی جاتی تھی، اور اپنے عمل سے اس کی افادیت منوائی جاتی تھی۔ البتہ ہر موقع و مقام کے لحاظ سے اصول بھی جدا تھے اور ہونے بھی چاہئیں۔

حضرت کی دو ازواج مطہرات تھیں اس لئے جو بھی نقد یا جنس کی شکل میں آتا مساوی کر کے اپنے ہاتھ سے تقسیم فرماتے۔ غیرت کا یہ عالم تھا کہ دونوں کے مہر ادا کر دیئے تھے۔ اور باوجود فریق ثانی کی طرف سے معافی کے واپس لینا گوارا نہ فرمایا۔ حضرت سخت گیر نہ تھے، کبھی گھر والوں سے تکلف و تحکم کا برتاؤ نہ کرتے بلکہ ہمیشہ لطف و کرم سے پیش آتے اور بہت ہشاش بشاش رہتے تھے۔ اپنی ازواج کے مہمانوں کی پوری مدارات کرتے اور ان کے بچوں سے خوب مزاح فرماتے تھے۔

اہل خانہ پر حتی الامکان کوئی بوجھ نہ ڈالتے تھے۔ حتی کہ کسی خاص کھانے کی فرمائش نہ کرتے۔ البتہ جب خود ادھر سے فرمائش کرنے کا اصرار ہوتا تو اس میں بھی ایسا سلوک اختیار کرتے کہ ان کی دل شکنی ہو نہ ان پر بار پڑے فرماتے: تم ہی تو چند کھانوں کے نام لو جو آسانی پک سکیں۔ ان میں سے مجھے جو مرغوب ہوگا بتلا دوں گا۔

باوجود کثرتِ مشاغل کے گھر پابندی سے تشریف لے جاتے تھے، تا کہ ان کی دل آزاری نہ ہو۔ ان کی بیماریوں پر پوری فراخ دلی سے روپیہ خرچ فرماتے اور ضرورت ہوتی تو دور دراز مقامات کو لے جا کر علاج کراتے تھے اس طرح تعلق مع اللہ کے بہانے حقوق تلفی کبھی نہ ہونے دیتے تھے۔ یہ تو ان دوکان داروں کا شعار ہے جو سنت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نا آشنا ہوتے ہیں جن کے نزدیک عبادت و تعلق مع اللہ کا راستہ اتنا

تارک ہے کہ مسجد وخانقاہ کے باہر قدم رکھتے ہی تار تار ہو جاتا ہے حالانکہ اتباعِ سنت کے تحت ہر فعل جو مسجد وخانقاہ میں ہو یا گھر اور بازار میں ہو عین عبادت اور ترقی قرب کا موجب ہے اور یہی صفت "بے ہمہ و باہمہ" کمال کی دلیل ہے۔

حضرتؒ نے دو عقد کرکے عدل و انصاف کی وہ نظیر قائم کی کہ اب لوگوں کے لئے عقد ثانی کی جرأت مشکل ہوگئی۔ خود فرماتے تھے "میں تو ایک کی باری میں دوسری کا خیال لانا بھی خلاف عدل سمجھتا ہوں کیونکہ اس سے اس کی طرف توجہ میں کمی ہوگی جس کی باری ہے۔ اور یہ اسکی حق تلفی ہے اب میں اپنے کپڑے خانقاہ ہی میں رکھتا ہوں، کیونکہ اگر میں ایک گھر میں کپڑے رکھتا تو دوسرے گھر والوں کو شکایت ہوتی۔ کہ ہمارے ساتھ اتنی خصوصیت نہیں جتنی دوسری کے ساتھ ہے"

مجدد الملت کے اس شعار کو غور سے دیکھو اور جان لو کہ دینداری میں معاشرت معاملات و اخلاق اتنے ہی مہتم بالشان ہیں جتنے عقائد و عبادات تکمیلِ دین کے لئے ان پانچوں پہلوؤں پر یکساں نظر ضروری ہے حکیم الامت کو سخت رنج ہوتا جب شوہروں کے ظلم و ستم کی روایتیں آپ تک پہنچتیں آپ ہر ایک کو اپنی بیویوں پر مہر و کرم، عفو و درگذر اور پاس مروت کی تلقین فرماتے تھے۔

علالت و رحلت

رشد و ہدایت کا وہ آفتاب جو ۱۲۸۰ھ میں مطلع تھانہ بھون سے نمودار
اور ۱۳۱۵ھ سے ہندوستان کے طول و عرض میں شریعت و طریقت کے
انوار پھیلاتا رہا۔ بالآخر ۱۳۶۲ھ میں ہمیشہ کے لئے نظروں سے اوجھل ہوگیا
تاریخ وفات سے شاید پانچ برس پہلے ہی سے معدہ و جگر کی تکلیفوں
نے عاجز کر رکھا تھا۔ کبھی قبض ہوتا تو ہٹنے کا نام نہ لیتا۔ اور کبھی اسہال
ہونے لگتے۔ تو رکنے ہی نہ پاتے تھے۔ مختلف اعضا متورم ہو چکے تھے۔ علاج
برابر ہوتا رہا۔ اور حق تعالیٰ کی اس امانت کی حفاظت میں کوئی کسر نہ چھوڑی
گئی۔ لیکن تدبیر ہی تو بندہ کے اختیار میں ہے ع مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا
کی۔ بالآخر بھوک بھی تقریباً بند ہوگئی۔ نحیف و ناتواں اور صاحب فراش ہوگئے
اکثر غنودگی کی کیفیت طاری رہنے لگی مگر جب بھی ہوش آتا اور جتنی بھی دیر
رہتا اپنے عارفانہ کلمات اور خطوط کے جوابات اسی حکیمانہ انداز سے ادا فرماتے
تھے۔ انہی باتوں کو دیکھ کر عقدہ کھلا کہ یہ غنودگی کے دورے نہ تھے بلکہ "ربودگی"
کی کیفیات تھیں۔ ورنہ کسی کی عقل مان سکتی ہے کہ اس درجہ کے ضعف میں
بار بار کے دوروں کے باوجود عقل و فکر کسی درجہ میں بھی متاثر نہ ہوں، ہا مثلاً
دیکھو کہ عین اسی چل چلاؤ کی حالت میں (۳۰۰) روپیہ کا ایک منی آڈر آیا۔ اس
میں لکھا تھا کہ "میں نے ایک منت مانی تھی کہ اگر کاروبار میں کامیابی ہوئی تو
(۳۰۰) روپیہ حضرت والا کی خدمت میں بھیجوں گا چنانچہ حسب منت مرسل

خدمت ہیں۔
آپ مالک ہیں جہاں چاہیں صرف فرمائیں" اس کا جواب اپنی ناتواں انگلیوں سے بدقت تمام یہ فرمایا "پہلے تو تم نے لکھا ہے آپ مالک ہیں بعد کو اختیار خرچ کرنے کا دیا ہے۔ اور یہ صیغہ توکیل کا ہے۔ چونکہ مالک بنانے اور وکیل بنانے میں شرعاً فرق ہے لہذا واپس کیا جاتا ہے"

حفظ شریعت کا ایسا خیال اور اس کا اتنا اہتمام کسی غائب دماغ سے ممکن بھی ہے؟ اور یہ تو ایک مثال ہے ورنہ وہاں تو شب و روز یہی کرامت جاری تھی۔ مرض الموت کے دن گذرتے گئے۔ دوشنبہ ۱۵ رجب ۱۳۶۲ھ کو صبح ہی سے مسلسل دست آنے لگے۔ کمزوری و نقاہت نے رفع حاجت کے قابل کب رکھا تھا۔ مجبوراً بار بار کپڑے بدلے جاتے رہے خود صاحب مرض کو صفائی و طہارت نماز اور ادائی حقوق کا تادم آخر اہتمام رہا۔ اسی دوشنبہ کو بعد نماز مغرب اپنی چھوٹی رفیقہ حیات سے پوچھا "میں دونوں کا ماہوار خرچ دے چکا ہوں؟" تسلی دلائی گئی "ہمکو بہت کچھ مل چکا ہے آپ دے چکے ہیں، بے فکر رہیں" پھر فرمایا آج تو ہم جا رہے ہیں۔ رفیقہ نے عرض کی کہاں؟ فرمایا تم نہیں جانتیں اُس کے بعد پھر جو غشی طاری ہوئی تو سوا گھنٹہ تک ہوش نہ آیا۔ سانس تیزی اور آواز سے چلتا رہا۔ جب سانس اوپر آتا تو گنتی دیکھنے والیوں نے دیکھا کہ آپ کی درمیانی اور شہادت کی انگلی کے بیچ ۔۔۔۔۔ ہتھیلی کی پشت سے ایک ایسی تیز روشنی نکلتی تھی کہ جلتے ہوئے برقی قمقمے ماند پڑ جاتے

تھے۔ یہ روشنی سانس کے اتار چڑھاو کے ساتھ آتی جاتی رہی اور جب وہ ختم ہوا تو یہ بھی غائب ہو گئی۔ کیا عجب کہ جن انگلیوں سے حقائق و معارف ایک عرصہ تک معرض تحریر میں آتے رہے یہ نور اسی کا ہو۔ بہرکیف محفل روشیں کا وہ چراغ جو کئی برس سے مرض کے تند و تیز جھونکوں سے بجھ بجھ کر سنبھل سنبھل جاتا تھا۔ بالآخر سہ شنبہ کی دبیعتی ۱۲ اور ۱۷ رجب ۱۳۶۲ھ ۱۹ اور ۲۰ جولائی ۱۹۴۳ء کی درمیانی رات ۸۲ سال ۳ ماہ ۱۱ دن کی عمر پاکر ہمیشہ کے لئے بجھ گیا فانا للہ وانا الیہ راجعون۔ اس سانحۂ عظیم کی اطلاع ہوا کی طرح پھیلی۔ اور برق بن کر عشاق کے قلوب پر گری صبح ہوتے ہوئے ہزاروں محبت کے مارے جو پہلے سے در ہوائے کوئے جاناں میروم "سر خوش و شاداں دفرحاں میروم" اور حکیم الامت "من جاں بلب و در حضورش بہر درماں میروم" کی نغموں سے مست و سرشار چلے آتے تھے آج فریادی اشکوں کے ساتھ آئے کہ "سر دسمینا بصحرا میروی" "سخت بیمہری کہ بے مامیروی" "اے تماشاگاہ عالم روئے تو۔ تو کجا بہر تماشا میروی" دہلی اور دوسرے شہروں سے اسپیشل ٹرینیں آئیں اور ہزاروں شیدائیوں کے ساتھ مجدد الملت رحمۃ اللہ تعالیٰ کا جنازہ نکلا ع عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے! عیدگاہ میں نماز جنازہ پڑھی گئی۔ اور پھر آپ ہی کے وقف کردہ تکیہ میں جس کا تاریخی نام "قبرستان عشق بازاں" تھا جسم مبارک کو پیوند خاک کیا گیا نور اللہ مرقدہٗ۔ سنا ہے کہ جو شریک جنازہ تھے ان کو پھر بھی چین و سکون آیا لیکن جن کی قسمت

ہیں "اویسی" بنی تھیں ان کی آتشِ فراق ایک عرصہ میں جاکر فرو ہوئی۔ اس کا اندازہ وہی کر سکے جس نے کبھی عشقِ حقیقی کی چوٹ کھائی ہو۔ زبانِ قلم اس حسی کیفیت کے اظہار سے عاجز ہے ع

اے آتشِ فراقت جانہا کباب کردہ

شہادات انام

؎ سن تو سہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا،، کہتی ہے تجھ کو خلق خدا غائبانہ کیا، گو بفضلہ تعالیٰ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے کمالات علمیہ وعملیہ و حالیہ آفتاب نصف النہار کی طرح روشن اور ایسے مشہور زمانہ ہیں کہ ان کے لئے اب کسی شہادت کی حاجت نہیں۔ بالخصوص شہادت انام کی بمصداق ع آفتاب آمد دلیل آفتاب۔ لیکن صحیح بخاری ومسلم کی حدیث انتم شہداء اللہ فی الارض جو ایسے ہی موقع پر ارشاد فرمائی گئی تھی یہ ظاہر کرتی ہے کہ اگر کسی کے مرنے کے بعد عام طور سے لوگ اس کی تعریفیں کریں تو اس کی توقع ہے کہ وہ عند اللہ بھی اچھا تھا کیونکہ حسب ارشاد نبوی انتم شہداء اللہ فی الارض عامۃ الناس بھی زمین پر اللہ تعالیٰ کے گواہ ہوتے ہیں۔،، یہی مضمون ایک روایت میں یوں آیا ہے فی آخر حدیث انس۔ ان اللہ وملائکتہ تنطق علی السنۃ بنی آدم مافی المرء من الخیر والشر یعنی اللہ تعالیٰ نے بعض فرشتے متعین فرما رکھے ہیں کہ وہ انسان کا خیر و شر

لوگوں کی زبانوں پر جاری کر دیں. نیز اپنے محبوب کی ہر کس و ناکس سے
تعریفیں سن کر محبین کو خوشی بھی ہوتی ہے جس کی ان کو اس غم میں ضرورت
بھی ہے۔ اس لئے سینکڑوں واقعات اور تحریرات میں سے جو سننے میں
آئیں صرف چند ہی بطور نمونہ پیش ہیں۔

ملک کی جتنی مسلم جماعتیں ہیں جن میں وہ بھی شامل ہیں جن کو حضرت
اقدس سے کچھ سیاسی یا مشربی اختلاف بھی تھا، قریب قریب سب
نے بالاتفاق اس خسارہ کو خسارہ عظمٰی محسوس کیا. جگہ جگہ تعزیتی جلسے
ہوئے۔ تقریریں ہوئیں، اور تقریروں کے وقت بعض مقررین و سامعین
کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ ریزولیشن پاس ہوئے فاتحہ خوانی اور قرآن خوانی
ہوئی، بعض بعض جگہ مدارس بند ہوئے بلکہ دکانیں بند ہوئیں اور بعض
نے اس ڈر سے کہ کہیں ناجائز نہ ہو اس ارادہ پر عمل کی ہمت نہ ہوئی۔
حالانکہ وہ آزاد لوگ تھے لیکن حضرت اقدسؒ کی دینی شخصیت کا اتنا
اثر سب پر تھا کہ خود بھی حضرت کے معاملہ میں احتیاط کے خلاف کرنے
کی جرأت نہ ہوئی۔ اکثر جگہ بہت بہت ایصالِ ثواب کیا گیا. پانی پت
سے اطلاع ملی کہ ۶۳ یا ۶۴ قرآن شریف ختم کئے گئے۔ وہاں حفاظ کی
بہت کثرت ہے. متعدد جگہ تقسیم طعام کے ذریعہ بھی ایصال ثواب کیا گیا
بعض اپنے اپنے خیال اور اپنے مشرب کے مطابق سب ہی
نے اظہار غم اور ایصال ثواب کیا. تمام ملکی جرائد میں جن میں غیر مسلم بھی
ہیں، اس خبر کو خاص اہمیت کیساتھ شائع کیا. بلکہ جہاں تک سننے میں آیا

سب سے پہلے ایک غیر مسلم اخبار ہی نے اس خبر کو بہت اچھے عنوان
ساتھ شائع کیا ــــــ حضرت اقدسؒ کی علالت ہی کے زمانہ میں جس
سناؤں سے دعا دی اور تمنا ظاہر کی کہ اجی وہ تو بڑے شخص ہیں خدا کرے
جلد اچھے ہو جائیں، یہاں تک کہ غیر مسلموں کے بھی یہی الفاظ ہوتے
ایک بہت بوڑھے شخص نے جو مسلمان تھا اور جس نے کبھی حضرت اقدس
کی زیارت بھی نہیں کی تھی جب خبر وفات سنی تو بے اختیار پھوٹ پھوٹ کر
رونے لگا۔ اور کہنے لگا کہ اجی ان کی کیا بات تھی۔ اگر کسی مسئلہ کی ضرورت ہو
تو پہلے ڈھونڈھتے پھرتے تھے اور کوئی مسئلہ بتانے والا نہ ملتا تھا۔ اور اب
ہمارے گھر کی لونڈیاں بھی بہشتی زیور دیکھ کر بتا دیتی ہیں۔

بعض جرائد نے یہاں تک لکھا کہ اگر مولانا اپنی تصانیف کی رجسٹری
کرا لیتے اور خود اشاعت کرتے تو آج کم از کم چالیس پچاس لاکھ روپیہ جمع
کر جاتے۔ بعض نے اپنے الفاظ میں لکھا کہ بے نظیر ہستی تھی۔ اور صدیوں ایسی
ہستی دنیا نہیں پیدا کر سکتی۔ بعض نے لکھا کہ متعدد کتابیں تو ایسی تصنیف
کی ہیں کہ جن کی نظیر سلف میں بھی نہیں پائی جاتی۔ بعض نے لکھا کہ مولانا نے
کوئی اولاد نہیں چھوڑی ان کی اولاد ان کی تصانیف کثیرہ ہیں۔ چنانچہ
البرہان دہلی ماہ اگست ۱۹۴۳ء میں اس حادثہ کا اظہار مضمون ذیل میں کیا گیا

آہ حکیم الامت

إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُم مَّيِّتُونَ یوں تو موت اس عالم آب و گل کی

اس چیز کے لئے ہی مقدر ہے جو زندگی کا عارضی لباس پہن کر بساط ہستی پر ا
نمودار ہوتی ہے۔ لیکن جس طرح زندگی زندگی میں فرق ہوتا ہے اسی طرح
ہر ایک کی موت بھی یکساں نہیں ہوتی کبھی کبھی ایسی اموات بھی واقع
ہوتی ہیں جو صرف افراد و اشخاص کی اموات نہیں ہوتیں بلکہ ان ہزاروں
لاکھوں انسانوں کی عمارتِ حیات بھی اس سے متزلزل ہو جاتی ہے جو
مرنے والے کے دامانِ عقیدت وارادت سے وابستہ ہوتے ہیں پھر اس
کی موت کا ماتم آنکھوں کے چند قطرہائے اشک سے نہیں ہوتا بلکہ ہزاروں
دلوں کی پرسکون آبادیاں ایک مستقل غم کدہ آمال وامانی بن کر رہ جاتی ہیں۔
امیدوں اور دلوں کے چراغ بجھ جاتے ہیں۔ نشاط وکامرانی حیات کے ہنستے
کدے سرد ہو جاتے ہیں۔ اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس حادثہ جانکاہ
نے کائنات عالم کی ہر ہر چیز کو اداس اور غمگین بنا دیا ہے۔ اسی قسم ایک
موت پر عربی شاعر نے کہا تھا ؎

وما کان قیس هلکه هلک واحد ؛ ولکنه بنیان قوم تهدما

قیس کا مرنا صرف ایک شخص کا مرنا نہیں بلکہ وہ ایک قوم کی بنیاد تھی
جو منہدم ہو گئی۔ گذشتہ ماہ جولائی کی تاریخ ۱۹ اور ۲۰ کی درمیانی شب کو
تقریباً دس بجے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحبؒ کا سانحہ
ارتحال پیش آیا وہ اسی قسم کا سانحہ تھا حضرت مولانا جس طرح شریعت
کے عالم متبحر تھے طریقت اور سلوک میں بھی مقام رفیع کے مالک تھے۔ ان
کی ذات علوم ظاہری باطنی کا مخزن تھی علم سفینہ سے زیادہ علم سینہ ان کا

اصلی جوہر اور زیور تھا، تحریریں علم و فضل کا معدن ہوتی تھیں۔ اور تقریر بھی بلا کی اثر انگیز تھی وہ جس بات کو حق سمجھتے تھے اسے برملا کہتے اور کرتے تھے اور اس میں انہیں کسی لومۃ لائم کی پرواہ نہیں ہوتی تھی۔ خود ایک درویش گوشہ نشین تھے مگر ان کا آستانہ بڑے بڑے ارباب ثروت و دولت اور اصحاب علم و فضل کی عقیدت گاہ تھا۔ جو بات اور جو عمل تھا اخلاص اور دیانت کے ساتھ تھا۔ دنیوی وجاہت و شہرت اور مالی حرص و آز کا شائبہ بھی دل کے آس پاس بھی کہیں گذر نہ ہوا تھا۔ اپنے اصول اور اپنے عقیدے و خیال پر اس مضبوطی اور پختگی سے عمل پیرا ہوتے تھے کہ دنیا کی کوئی طاقت انکو اس سے منحرف نہیں کر سکتی تھی۔ حضرت مرحوم کا آستانہ معرفت و روحانیت کا ایسا چشمۂ صافی تھا کہ ہزاروں تشنہ کام آتے اور سیراب ہو کر جاتے تھے۔ وہ جن کی زندگیاں معصیت کوشی اور عصیاں آلودگی میں بسر ہوئی تھیں یہاں سے پاک و صاف ہو کر اور گوہر مقصود سے دامانِ آرزو کو بھر کر واپس لوٹتے تھے۔ ان کی زندگی اتباعِ سنت کا ایک زندہ درس اور ان کی گفتگو اسرار و رموزِ طریقت کا دفتر گراں مایہ تھی بعض مسائل میں علماء ہند کی جماعت کو ان سے ہمیشہ اختلاف رہا۔ لیکن تقویٰ و طہارت، و تفقہ فی الدین شرعی علوم میں مہارت و بصیرت، راست گفتاری اور مخلصانہ عمل کوشی، انابت الی اللہ، بے لوث خدمتِ دین بے غرضانہ تلقین رشد و ہدایت، حضرت مرحوم کے یہ وہ اوصافِ عالیہ اور فضائل حمیدہ تھے جو ہر موافق و مخالف کے نزدیک برابر مسلّم رہے بعض عوارض و

استقامت کی بنا پر گوشہ نشینی سے قبل، اپنے مواعظ حسنہ اور اپنی کثیر تصانیف کے ذریعہ حضرت مرحوم نے اصلاح عقائد و اعمال اور ابطالِ رسوم و بدعات کی جو عظیم الشان خدمت انجام دی ہے وہ غالباً تمام ہی ہمعصروں میں ان کا واحد طرۂ امتیاز ہے قوم نے ان کو حکیم الامت کا خطاب دیا تھا۔ اور بالکل بجا دیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت مرحوم نے اپنی تحریروں اور تقریروں سے ہزاروں انسانوں کے روحانی امراض کا ایسا کامیاب علاج کیا کہ جو خذف ریزے تھے وہ گوہر آبدار بن گئے اور جو صرف پیتل تھے وہ زر خالص ہو گئے۔

چھوٹے بڑے رسالے اور مستقل تصانیف جو مولانا کے قلم سے شائع ہوئیں ان سب کی مجموعی تعداد تازہ ترین شمار کے مطابق آٹھ سو سے اوپر بیان کی جاتی ہے۔ جن میں سے کثیر تصنیفات ملک میں اتنی مقبول ہوئیں کہ اب تک ان کے درجنوں ایڈیشن طبع ہو چکے ہیں۔ کہا جاتا ہے اور غالباً اس میں مبالغہ نہیں ہے کہ مولانا کی تصنیفات۔ جو اب تک طبع ہو چکی ہیں انکی مجموعی قیمت چالیس لاکھ روپیہ سے کم نہیں ہے۔ مولانا کی سیر چشمی اور فیاضی خلوص اور للہیت کی دلیل اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ تصنیفات کی اس غیر معمولی مقبولیت کے باوصف آپ نے کبھی کسی کتاب کا حق اشاعت وطبع اپنے لئے محفوظ نہیں رکھا۔ ہر شخص کو ان کے چھاپنے اور طبع کرانے کا اذن عام تھا حقیقت یہ ہے کہ اس مادی دنیا میں مولانا کا صرف یہ ایک عمل ہی ایسا ہے جو آج کل کے بڑے بڑے نامور علماء کے لئے سرمایۂ عبرت

اور درس مو عظت ہو سکتا ہے۔ پھر یہ تصانیف کسی خاص طبقہ کے لئے مخصوص نہیں۔ علماء اور فضلاء ارباب شریعت اور اصحاب طریقت مرد اور عورتیں اعلیٰ تعلیمیافتہ اور معمولی اردو خواں ہر ایک ان سے استفادہ کر سکتا اور اپنے لئے اصلاح ظاہر و باطن کا سامان بنا سکتا ہے۔ مولانا کی تحریروں میں اسرار و نکات کے علاوہ ایسا عجیب و غریب منطقی اور عقلی استدلال ہوتا ہے کہ بڑے سے بڑا حریف بھی تصدیق و تائید سے کوئی مفر نہیں دیکھتا جس بات کو بیان کرتے ہیں، نہایت وثوق اور یقین کے ساتھ بیان کرتے ہیں حضرت مرحوم کی تحریریں اور ان کی گفتگو میں غیر معمولی ذکاوت و فطانت کی آئینہ دار ہوتی تھیں بات سے بات پیدا کرنا اور ہر معاملہ کی اصل و حقیقت کو پہچاننا ان کی ذہانت کا خاص جوہر تھا۔

خواص کے لئے تفسیر بیان القرآن اور شرح مثنوی مولانا روم اور عورتوں کے لئے بہشتی زیور آپ کی ایسی گراں بہا اور کثیر الشیوع تصنیفات ہیں کہ جو اپنی مخصوص نوعیت کے اعتبار سے اردو کے مذہبی لٹریچر میں اپنا جواب نہیں رکھتیں۔ اور موخر الذکر کتاب تو اس قدر مقبول ہوئی کہ ہندوستان کا شاید ہی کوئی اردو خواندہ ہوگا جس نے کم از کم اس کا نام نہ سنا ہو۔

مولانا کی ولادت باسعادت ۵ ربیع الثانی ۱۲۸۰ھ کو ہوئی تھی اس حساب سے آپ کی عمر تقریباً ۸۲ سال ہوتی ہے آپ کی مفصل سوانحعمری اشرف السوانح کے نام سے تین ضخیم جلدوں میں آپ کی حیات میں ہی شائع ہو گئی تھی جس کی تصنیف کا شرف اردو زبان کے مشہور شاعر اور

فاضل خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب اور مولوی عبد الحق صاحب کو حاصل ہے۔ اب اگرچہ حضرت مولانا کی وفات ہو چکی ہے لیکن وہ اپنی تصنیفات اور اپنے عملی کارناموں کے باعث آج بھی زندہ ہیں، خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو آپ کے بعد ان زندہ جاوید یادگاروں سے روشنی حاصل کریں اور ان کی رہنمائی میں اسلام کے صراطِ مستقیم پر چلیں۔

حق تعالیٰ اعلیٰ علیین میں مولانا کے مدارج و مراتب بیش از بیش بڑھائے کہ وہ عمر بھر لوگوں کو اسی کی راہ کی طرف بلاتے رہے۔ اور قیامت میں ان کا حشر صدیقین دا برار کے ساتھ کرے کہ انہوں نے اپنی زندگی ہمیشہ ایک مومن قانت وصدیق کی ہی طرح بسر کی۔ رحمۃ اللہ رحمۃ واسعۃ"

کہیں مدت میں ساقی بھیجتا ہے ایسا مستانہ
بدل دیتا ہے جو بگڑا ہوا دستور میخانہ

حیات اشرف

حصہ دوم

از

منشی عبدالرحمٰن خاں صاحب "مؤلف سیرۃ اشرف"

ناشر

کتب خانہ محمودیہ دیوبند (یو، پی) انڈیا

اہتمامِ اصلاحِ امت

دورِ انقلاب

حضرت تھانویؒ نے جو زمانہ پایا۔ وہ آج کل کی طرح فتنوں کا زمانہ تو نہیں تھا۔ مگر انقلاب کا زمانہ ضرور تھا۔ یعنی امتِ محمدیہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں دنیوی حیثیت سے نہیں دینی حیثیت سے ایک انقلاب عظیم آچکا تھا، اور کتاب وسنت کے آئینہ میں دیکھنے سے مسلمانوں کا کوئی قول وفعل خدا ورسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے احکام کے مطابق نظر نہ آتا تھا۔

دین کو صرف عقاید وعبادات تک محدود سمجھ لیا گیا تھا۔ گو ان پر بدعات ورسومات کا رنگ غالب آچکا تھا۔ مگر اب نوبت ترک واہمال تک آ پہنچی تھی۔ اور عوام فرائض کی بجاآوری سے اس طرح گریز کرنے لگے تھے۔ جیسے ان کے ذمہ کوئی فرض ہی نہیں۔

اخلاق معاشرت اور معاملات کو تو سرے سے جزو دین ہی نہیں سمجھا جاتا تھا۔ بلکہ انہیں دنیوی مسائل تصور کر کے ہر ہر حکم شرعی کے مقابلہ میں اپنی اپنی رائے کو ترجیح دی جاتی تھی عجیب وغریب رسوم اختراع کی جاتی تھیں

اور انہیں اختیار کرنے میں شرم کی بجائے فخر محسوس کیا جاتا تھا ـــــ اور انہیں ہنر سمجھا جاتا تھا۔ یہ تو عوام کی حالت تھی۔ جدید تعلیم یافتہ طبقہ کا یہ عالم تھا کہ وہ احکام خدا و رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نہ صرف تمسخر اڑاتے تھے۔ بلکہ ان کو اپنی نام نہاد ترقی کی راہ میں حائل سمجھتے تھے،

اہتمامِ اصلاح

حضرت تھانوی کو چونکہ حق تعالیٰ نے اصلاح امت کی اہم ترین خدمت کے لیے پیدا فرمایا تھا۔ اس لیے آپ نے اپنی تمام زندگی اہتمام اصلاحِ امت میں ہی صرف کردی۔ اور تحریر و تقریر کے ذریعہ اتنا نادر علمی خزانہ چھوڑ گئے کہ اس کا عشر عشیر بھی احاطۂ تحریر میں لانا از بس دشوار ہے۔ آپ صرف کتابوں کے دفتر ہی نہ چھوڑ گئے۔ بلکہ ہر طبقہ خیال کے لوگوں کی اصلاح کے لئے اس کے حسبِ حال طریقہ عمل بھی تجویز کر گئے۔ اور اس کی تعلیم دینے کے لئے مجازین بیعت او مجازین صحبت کی ایک بہت بڑی تعداد بھی چھوڑ گئے۔ تاکہ وہ آنے والی نسلوں کی اس بارہ میں رہنمائی کرتے رہیں۔ اور یہ سلسلہ فیض و خیر جاری و ساری رہے۔

آپ دینی انحطاط کے جس دورِ انقلاب سے گذر رہے تھے۔ سب سے پہلے آپ نے اس کا جائزہ لے کر وہ اسباب و علل معلوم کئے جو اس انقلاب کا باعث تھے۔ اس حکیم الامت کی تشخیص میں اس کے سبب صرف یہ دو ہی تھے،

تشخیص اسباب انقلاب میں تامل و تدبر و تتبع کرنے سے معظم اس

دو امر ثابت ہوئے ایک قلتِ علم یعنی ناواقفی و بے خبری۔ دوسرا ضعف ہمت یعنی قصد و ارادہ کی کمی یا فقدان۔ سبب اول سے خود احکام ضروریہ دو واقعیہ ہی مخفی رہتے ہیں۔ اور سبب ثانی سے باوجود خبر اور آگاہی کی نوبت عمل کی نہیں آتی ؎ (اصلاح انقلاب)

بے خبری کے ازالہ کی تدابیر

حکیم الامت حضرت تھانوی مصیبت کا علاج نہیں کرتے تھے بلکہ معصیت کا علاج کرتے تھے۔ جو سبب بنتی ہے مصیبت کا۔ معصیت چونکہ ایک روحانی مرض ہے اس لئے جسمانی امراض کی طرح اس کے اسباب کا ازالہ بھی اس کے معالجہ و اصلاح سے ہوتا ہے، مرض کی صحیح تشخیص کے بعد اس کے اسباب کے ازالہ کی صحیح تدبیر کرنا اور بھی بڑا مشکل کام ہوتا ہے جس کیلئے توجہ تام کی سخت ضرورت ہوتی ہے۔ حضرت تھانوی نے برسوں کے تجربہ اور غور و خوض کے بعد مستذکرہ بالا اسباب انقلاب کے ازالہ کی یہ تدابیر بتلائیں۔

بے خبری کے ازالہ میں تو معلم اور متعلم یعنی خواص و علماءِ احکام اور عوام طالبانِ احکام دونوں کو دخل ہے اور ہر ایک کے لئے جداگانہ ضروری دستور العمل ہے۔ طالبانِ احکام کا دستور العمل یہ ہے کہ :۔

طالبانِ احکام کا دستور العمل

ان میں جو زیادہ فارغ ہیں، جیسے اہلِ تنعم اور اہلِ ثروت وہ اپنی اولاد کو علوم دینیہ کے لیئے فارغ کردیں، گو ضروریاتِ دنیوی کے لئے ملکی زبان اور فنون رائجہ کی بھی تحصیل کا مضائقہ نہیں۔ مگر یہ درجہ تبعیت سے متجاوز نہ ہونے

پاوے پس اولاد تو یوں درست ہوئی اور خود کوئی وقت مقرر کر کے کسی عالم یا کافی الاستعداد طالب علم کے پاس جاکر یا اس کو بلا کر۔ اگر علوم عربیہ سے مناسبت ہو۔ تو وہ زیادہ بصیرت کا آلہ ہے۔ ورنہ اردو ہی کے مفید اور ضروری رسائل کو کسی محقق کے مشورے سے تجویز کر کے سبقاً سبقاً بہتر تو یہ ہے کہ دو تین بار ورنہ اقل درجہ تحصیلاً ایک ہی بار۔ پھر مطالعۃً چند بار ان پر عبور کریں مگر یہ رسائل ایسے ہوں جن میں سب اجزا کا کافی بیان ہو۔ یعنی عقائد۔ دیانات معاملات۔ معاشرت اور اخلاق باطنہ۔

جن کو معاش کی ضرورت سے زیادہ فراغت نہیں ہے۔ اور حرف شناس ہیں یا بآسانی ہو سکتے ہیں۔ وہ اپنے لئے بھی اور اپنی اولاد کے لئے بھی بجائے علوم عربیہ کے وہی رسائل دینیہ اردو کے بطور درس طالب علمانہ کے تجویز کرلیں۔ اور پھر بطور دورہ ان کا بار بار مطالعہ کریں۔ اور جب تک درس کا انتظام نہ ہو سکے۔ بطور خود ہی وہ چار ورق روزانہ بالالتزام مطالعہ کیا کریں۔ اور مواقع خلجان میں خود رائی سے کام نہ لیں بلکہ نشان بنا کر چھوڑ دیں اور ماہر کے میسر ہونے کے وقت اس کی تحقیق کریں"

جو لوگ ان میں حرف شناس نہیں ہیں، نہ بآسانی ہو سکتے ہیں اور نہ اپنے بچوں کو کسی وجہ سے اس کے لئے فارغ کر سکتے ہیں، وہ ایسا انتظام کریں کہ ہفتہ میں بہتر تو یہ ہے کہ ہر روز ورنہ ایک ہی روز خاص مجلس علمی کے لئے بالالتزام مقرر کریں۔ اور کوئی عالم یا صحبت یافتہ اہل علم کا جو ان رسائل کو اچھی طرح سمجھا ہوا ہو۔ تجویز کریں۔ اور اگر کسی عالم سے تجویز کرالیں زیادہ

احتیاط ہے اس روز سب لوگ کسی خاص مقام مسجد وغیرہ میں جمع ہو کر
اس خواندہ فہمیدہ شخص کو لاکر ایک معین وقت تک مثلاً گھنٹہ یا آدھ گھنٹہ
ان رسائل کو سنا کریں اور سمجھا کریں۔

اگر ایسا شخص مفت نہ ملے تو کچھ اس کی مالی خدمت کریں اور
سنانے والے شخص کو جہاں شبہہ رہے پنسل وغیرہ سے نشان بنا کر اسوقت
اس کو رہنے دیں۔ پھر جب کوئی عالم میسر ہو۔ اس سے حل کر لیں اور سب
مجمع کو پہنچا دیں۔ اور جہاں دیہات وغیرہ میں ایسا شخص نہ ہو، تو آپس میں
مشروع طریق سے چندہ کر کے اس چندہ سے کوئی ایسا آدمی باہر سے بلا کر
رکھ لیں اور طریق جاری کریں۔

ضروری التزام

تمام طبقات مذکورین علاوہ اس تحصیل میں یا مطالعہ یا سماعِ رسائل کے دو امر کا اور بھی التزام رکھیں،

ایک یہ کہ اپنے اعمال و احوال میں جب کوئی امر جس کا حکم معلوم نہ ہو پیش آوے
فوراً علماء حقانی سے اس کو دریافت کریں۔ اور اگر بوجہ بعد زبانی نہ پوچھ سکیں
تو بذریعہ خط کے تحقیق کریں۔ اگر اوسط ایک مسئلہ روزانہ کے حساب سے
تقریراً یا تحریراً پوچھ پاچھ رکھے، تو سال بھر میں ساڑھے تین ہزار سے زیادہ
مسئلے معلوم ہو سکتے ہیں کہ بعض نام کے یا جدید عالموں کو بھی اتنے مسائل
معلوم نہیں اور یہ کوئی بڑا مشکل کام نہیں ہے۔

دوسرے اس امر کا التزام رکھیں کہ علماء کی مجلس میں جایا کریں۔ خواہ
خاص مجلس ہو جیسے جلسہ ملاقات و زیارت، خواہ عام مجلس ہو، جیسے جلسہ

وعظ و نصیحت اور جو سنیں دل سے یاد رکھیں۔ یہ تو مردوں کا انتظام ہو۔

اب عورتیں رہ گئیں۔ سو یہ مجموعی انتظام مذکورہ ان کے لئے اشکال سے خالی نہیں۔ اس لئے سہل تر ان کے لئے یہ طریق ہے کہ معلمہ عفیفہ دیندار مل جائے تو کمسن لڑکیوں کو اس کے ذریعہ سے قرآن مجید اور ایسے رسائل کی تعلیم دلادیں اور ان کے لئے بہشتی زیور کے دس حصے بالکل انشاء اللہ کافی ہیں۔ بلکہ تضما گیارہویں حصہ مسمیٰ بہشتی گوہر کے مردوں کے لئے بھی کافی ہیں اور اگر کوئی معلمہ ایسی نہ ملے یا کسی لڑکی کو فراغ یا مناسبت نہ ہو تو ان کو بھی بڑی عورتوں کے انتظام میں شامل سمجھا جاوے اور وہ انتظام دو ہیں۔ ایک یہ کہ گھر کے مردوں میں سے اگر کوئی خواندہ ہو تو وہ روزانہ کچھ وقت معین کر کے سب گھر والیوں کو اس وقت جمع کر کے رسائل بالا سنایا کریں سمجھایا کریں۔ بلکہ کئی دورے کر دیں۔ دوسرا انتظام یہ ہے کہ گاہ گاہ کسی متورع یا متبع سنت عالم کا گھر میں وعظ کہلا دیا کریں کہ یہ عجیب مؤثر عمل ہے،

علماء احکام کا دستور العمل یہ ہے کہ وہ وقتاً فوقتاً اس میں مساعی رہیں کہ ناواقفوں تک احکام پہنچیں۔ اور اس کی یہ صورتیں ہیں،

ایک درس (گو بعوض ہو) اس میں علوم ضروریہ کو مقدم اور مہتم بالشان رکھیں، دینیات سے حتی الامکان طالب علم کو فارغ کر دیں۔ اگر طالب علم دینی مختصرات یا اردو کے رسائل بھی پڑھے اور اپنے پاس وقت ہو۔ تو ہرگز اس

کے درس کو خلاف شان نہ سمجھے طالب علم کے فضول سوال پر اس کو متنبہ کرے
جواب نہ دے۔

دوسری صورت وعظ ہے جسمیں عام خطاب ہے۔ اس میں ضرورت
وقت کا لحاظ رکھیں جن امور پر لوگ اس زمانہ میں مبتلا ہوں۔ یا جن ضروریات
میں فروگذاشت کرتے ہوں، مدار بیان اس پر رکھے، دوسرے مضامین اگر
ہوں۔ تو بالتبع وبقلت ہوں اور یہ ضروری مضامین جمیع ابواب کے ہوں،
صرف عقائد و دیانات پر اکتفا نہ کرے بلکہ معاملات و معاشرت و اخلاق سے
بھی مشبع بحث کرے بلکہ بوجہ متروک ہونے کے یہ ثلثہ اخیرہ زیادہ اہم ہو گئے
ہیں، اور وعظ میں بات صاف کہے کہ سننے والوں کی سمجھ میں خوب آجاوے،
مگر خشونت اور اشتعال طرز سے بچے، اور وعظ میں عوض نہ لے۔ البتہ اگر وعظ
کا نوکر ہو۔ وہ بات اور ہے،

تیسری صورت جواب ہے استفتار کا خواہ زبانی سوال ہو یا تحریری
ہو۔ اس میں ان امور کا لحاظ رکھے کہ حتی الامکان جواب میں توقف نہ کرے،
لا یعنی سوال جواب نہ دے بلکہ سائل کو متنبہ کر دے۔ اگر سوال محتمل دو صورتوں
کو ہو، تو تشقق سے جواب نہ دے (یعنی اس طرح جواب نہ دے کہ اگر اس
طرح واقع ہے تو یہ جواب ہے اور اگر اس طرح ہے تو یہ جواب ہے) بلکہ سائل
سے پہلے صورت واقعہ متعین کرائے۔ پھر جواب دے، کیونکہ بعض اوقات سائل
دونوں شقوں کا حکم سن کر ایک شق کو اپنے مفید طلب سمجھ کر سوال میں اس کا
دعوی کرنے لگتا ہے جس کی وجہ سے سائل کا یا اس کے مقابل کا ضرر دینی یا دنیوی

ہونا ہے۔ عامی کو دلیل بتلانے کا التزام نہ کرے کہ اکثر اس کے فہم سے خارج ہوگی یا دوسرے مصححین کی سہولت کے لئے اگر دلیل کی طرف اشارہ کردے یا کوئی عبارت بلا ترجمہ نقل کردے مستحسن ہے،

اگر قرائن سے معلوم ہو کہ سائل غالب اس تحریر کو اچھی طرح نہ سمجھیگا یا سمجھنے میں غلطی کرے گا جواب لکھ کر دے کہ کسی عالم سے اس جواب کو زبانی حل کرے۔ اگر قرائن سے معلوم ہو کہ سوال براہِ تعنت ہے، جواب نہ دے۔ غرض اہل سے دریغ نہ کرائے نااہل کو منہ نہ لگائیے۔

چوتھی صورت تالیف و تصنیف ہے۔ خواہ اشتہار ہو یا اخبار ہو۔ یا رسالہ و کتاب ہو اس میں بھی ضرورت وقت کا لحاظ اور عبارت میں سلاست اور کفایت کی رعایت ہو اور اگر خدا تعالیٰ معاش کی کوئی صورت اور سبیل عطا فرمادے۔ تو اپنی تصانیف کی خود تجارت نہ کرے،

علماء کے احکام کے دستور العمل کا تتمہ ایک اور امر بھی ہے، امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور منجملہ اس امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے کفار کی تبلیغ بھی ہے خواہ بذریعہ تقریر اور خواہ بذریعہ تحریر اپنے ملک کے کفار کو بھی اور دوسرے ملک کے کفار کو بھی، اس غرض کی تحصیل و تکمیل کے لئے۔ اگر ان اقوام کی زبان بھی سیکھ لے، تو بشرطِ خلوص نیت عین طاعت ہے۔ جیسے اس غرض سے انگریزی پڑھ لینا تبلیغ احکام کے متعلقات ہی میں سے احکام ایک خاص حفاظت بھی ہے یعنی اصول فروع پر جو حملے یا آمیز شیں ہیں۔ خواہ اہل کفر ہوں یا اہل بدعت، ان کو دفع کرنا اور رفع کرنا تاکہ طالبان حق شبہات سے محفوظ

رہیں اور اس مقصود کے لئے اگر اہل باطل پر رد وقدح کرنے کی حاجت ہو۔ یا ان سے مناظرہ کرنا مصلحت ہو۔ تو اس سے بھی پہلوتہی نہ کرے۔ اس رد وقدح یا مناظرہ کے لئے باطل کے علوم وفنون حاصل کرنا ضروری ہو۔ وہ بھی طاعت ہے، جیسے اس وقت سائنس وغیرہ سیکھنا۔

ضعفِ ہمت کے ازالہ کی تدبیر

تجربہ سے ثابت ہوا ہے کہ امور ذیل کو تقویت ہمت میں خاص اثر اور دخل ہے ایک ان میں سے صحبت شیوخ کاملین کی ہے جنکی علامتیں یہ ہیں کہ وہ بقدر ضرورت علم دین رکھتا ہو۔ عقائد واعمال واخلاق میں شرع کا پابند ہو، دنیا کی حرص نہ رکھتا ہو، کمال کا دعویٰ نہ کرتا ہو کہ یہ بھی شعبۂ دنیا ہے کسی شیخ کامل کی صحبت میں چندے رہا ہو اس زمانے کے مصنف علماء ومشائخ اس کو اچھا سمجھتے ہوں، بہ نسبت عوام کے خواص یعنی فہیم دیندار لوگ اس کی طرف زیادہ مائل ہوں، اس سے جو لوگ بیعت ہوں ان میں سے اکثر کی حالت باعتبار اتباع شرع وقلت حرص دنیا کے اچھی ہو۔ وہ شیخ تعلیم وتلقین میں اپنے مریدوں کے حال پر شفقت رکھتا ہو، اور ان کی کوئی بری بات دیکھے یا سنے تو ان کو روک ٹوک کرتا ہو، یہ نہ ہو کہ ہر ایک کو اس کی مرضی پر چھوڑ دے اس کی صحبت میں چند بار بیٹھنے سے دنیا کی محبت میں کمی اور حق تعالیٰ کی محبت میں ترقی محسوس ہوتی ہو، خود بھی وہ ذاکر شاغل ہو، اس لئے کہ بدون عمل یا عزم عمل تعلیم میں برکت نہیں ہوتی اور صدور کشف وکرامت اور استجابت دعا وتصرفات لوازم مشیخت سے نہیں، غرض ایسے حضرات کی صحبت خاص

طور پر مؤثر ہے، مگر اس صحبت کی تاثیر میں شرط یہ ہے کہ اس میں نیت بھی
یہی ہو کر میرے قلب میں رغبت طاعت اور نفرت معاصی پیدا ہو، اور
اس کے ساتھ اس کا بھی التزام رہے کہ اپنی کیفیات قلبیہ کی شیخ کو اطلاع
دے کر جو معالجہ تجویز فرمایا جائے، اس پر کاربند ہو،

دوسرا امران میں سے بوقت بیسر نہ آنے صحبت کاملین کے اہل اللہ کے
حالات و مجاہدات کا مطالعہ یا استماع (دیکھنا سننا) ہے، مگر ان سے جو مقالات
متعلقہ اسرار مسائل غامضہ تصوف ہیں، ان میں ہرگز مشغول نہ ہو۔ البتہ علوم
معاملہ یعنی تربیت باطن و تہذیب نفس کے بارے میں جو کچھ ان کے اقوال
ہیں وہ سرتاپا عملدرآمد بنانے کے قابل ہیں،

تیسرا امران میں سے مراقبۂ موت و مابعد الموت ہے، مراد اس سے ابتداءً
نزع روح سے دخول جنت یا نار تک جو اہوال (خوفناک امور) پیش آنے
والے ہیں، مثلاً سوال نکیرین وعذاب ونعیم قبر وحشر ووزن اعمال وحساب
وجزاء وعبور صراط وغیرہ سب کو کسی وقت فراغ میں بالالتزام روزانہ کم از
کم بیس منٹ سوچا کریں، تقویت ہمت میں جن ملکات کو دخل ہے، اس
مراقبہ سے ان کا کمال پیدا ہو جائے گا،،

احتیاطی تدابیر

انقلاب امت کی اصلاح کی تعبیر کی تعیین تفصیل کے بعد لکھتے ہیں کہ:

"چونکہ ہر تدبیر پر عمل کرنے کے ساتھ اس کے موانع تاثیر سے تحرز بھی واجب
ہوتا ہے، جس طرح امراض جسمانی میں پرہیز کی ضرورت سمجھی جاتی ہے، اس

لیے ان تدابیرِ اصلاح کے ساتھ ان امور سے بچنا بھی ضروری ہوگا۔ جوان کے

اثر میں خلل انداز ہیں۔

بیان اس کا یہ ہے کہ ان تدابیر میں سے بعض علماء کے متعلق تھیں، یہاں

ان کے باب میں کلام مقصود نہیں، کیونکہ وہ خود جانتے ہیں، صرف ان میں جو

عوام کے متعلق ہیں، ان میں بقدر ضرورت لکھا جاتا ہے، سو اس باب میں

یہ امور بتلائے گئے تھے (۱) کتب دینیہ کا پڑھنا یا دیکھنا یا سننا (۲) علماء دین

سے مسئلہ پوچھنا (۳) وعظ سننا (۴) صحبت اہل کمال (۵) گھر والوں کو خود

پڑھانا یا سنانا یا کسی کے ذریعہ سے پڑھوانا سنوانا۔ ان امور پنجگانہ میں سے

ہر ایک میں بعض لوگ بے احتیاطیاں کرتے ہیں جو معالجہ مطلوبہ میں بدپرہیزی

کا حکم رکھتے ہیں بالترتیب ہر ایک کے متعلق مختصر تنبیہ ضروری ہے۔

کتب دینیہ کا پڑھنا یا سننا

اس کے متعلق آج کل بعض بکثرت یہ غلطی کرتے ہیں کہ جو کتاب دین کے نام سے

دیکھی یا سنی خواہ اس کا مضمون حق ہو یا باطل، خواہ اس کا مصنف ہندو ہو

یا عیسائی، یا دہری یا مسلمان بھی گو صاحب بدعت ہی ہو۔ غرض کچھ تفتیش نہیں

کرتے، اس کا مطالعہ شروع کر دیتے ہیں اور اسی میں وہ مضامین آ گئے

جو کسی مسئلہ کے متعلق اخبارات میں چھپتے رہتے ہیں، سو اس میں چند مضرتیں

ہیں، بعض اوقات بوجہ کم علمی کے یہی امتیاز نہیں ہوتا، کہ ان میں کون صحیح ہے

کون غلط۔ کسی غلط کو صحیح سمجھ کر عقیدہ یا عمل میں خرابی کر بیٹھتے ہیں۔ بعض

اوقات پہلے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ امر غلط ہے مگر بعض مصنفین کا طرز

بیان ایسا تلبیس آمیز یا دل آویز ہوتا ہے کہ دیکھنے والا فی الفور اس سے متاثر ہو جاتا ہے اور اس کے مقابلہ میں اپنے پہلے اعتقاد کو ضعیف اور بے وقعت خیال کر کے بعض دفعہ تو اس سے پہلے کو غلط اور اس پچھلے کو صحیح سمجھ لیتا ہے اور بعض دفعہ گو اس کو قبول نہیں کیا، مگر متزلزل اور مذبذب ہو کر کبھی دل میں رکھتا ہے اور پریشان ہوتا ہے اور کبھی دوسروں سے تحقیق کرنا چاہتا ہے، مگر چونکہ اس میں کچھ غموض ہوتا ہے جس کے ادراک کے لئے اس کا علم و ذہن کافی نہیں ہوتا اس لئے سمجھ میں نہیں آتا اور بے سمجھے لایعنی سوالات کر کے دوسروں کو پریشان کرتا ہے، اور اپنے فہم کا قصور فہم میں نہیں آتا، اور جواب دینے والوں کو جواب سے عاجز سمجھ کر ان کے علم یا اخلاق میں تنگی کا حکم لگا کر ان سے بدگمان ہو جاتا ہے اور بھی انواع مفاسد پیدا ہو جاتے ہیں، ان سب کا انسداد یہی ہے کہ کوئی کتاب کوئی اخبار کوئی رسالہ کوئی تقریر تاوقتیکہ کسی محقق عالم کو نہ دکھلا لیں اور اس سے رائے نہ لے لیں، ہرگز نہ دیکھیں۔

اخبارات کے بعض مفاسد اس قسم کے احقر نے ایک مستقل تحریر مسمی بہ اخبار بینی میں ایک زمانہ میں لکھے تھے جس پر بلا تدبر بعض معترضین نے غل مچایا، مگر وہ تحریر بغور پڑھنے کے قابل ہے، اس سے یہ ہرگز مقصود نہیں کہ کسی اخبار یا کسی کتاب کا مطالعہ ہر حالت میں حرام ہے، مقصود صرف یہ ہے کہ چونکہ ان چیزوں میں بعض اوقات ایسے مفاسد ہوتے ہیں، اور ان مفاسد سے بچنا ملت اسلامیہ میں واجب ہے، اور بچنا بدوں معرفت

کے ہو نہیں سکتا، اور معرفت خود ہے نہیں، اس لئے کسی صاحب معرفت یعنی عالم محقق سے مشورہ لے کر اس کا اتباع ضروری ہوگا،

افسوس ہے کہ باوجود وضوح اس امر کے پھر اس ممانعت کو تنگ خیالی و تعصب پر محمول فرمایا جاتا ہے کیا خیر خواہ باپ اپنے بچے کو زہریلی ہوئی مٹھائی کے کھانے سے روکے تو کوئی عاقل اس باپ کو متعصب یا تنگ خیال کا لقب دے گا، غایت رافت کیساتھ اس کو متعصب کہے گا۔ اور اگر کوئی کہے کہ ہم خذ ما صفا و دع ما کدر کے طور پر اس کو دیکھتے ہیں، اس کا جواب ادھر کی تقریر سے واضح ہو گیا ہے کہ اس امتیاز کے لئے علم کامل اور فہم ذاتی کی حاجت ہے اور کلام اس کے فاقد میں ہے۔ رہا کسی کا اپنے کو فاقد نہ سمجھنا، یہ معتبر نہیں، بلکہ کسی عالم کا کسی کو فاقد کہنا اس کے اثبات کے لئے کافی ہے اور یہی وجہ ہے کہ جناب رسول کریم دینی حکیم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے راسخ العلم و العمل شخص کو توراۃ کے مطالعہ سے منع فرمایا، باوجودیکہ فی نفسہ آسمانی کتاب تھی، گو اس میں تحریف بھی ہو گئی تھی، اور پھر مطالعہ بھی تنہا نہ تھا، بلکہ خود حضور پر نور کو سنا رہے تھے، اور اس میں جزو محرف کا معین و مبین ہو جانا ظاہر تھا اس کے بعد کسی فساد کا احتمال ہی نہ تھا، معہذا پھر اس مصلحت سے کہ آیندہ کو یہ عمل ان مفاسد کے باب مفتوح ہونے کا سبب نہ بن جائے کس سختی سے منع فرمایا، اور کیسی ناخوشی ظاہر فرمائی۔ جیسا کہ حدیث دارمی میں مذکور ہے۔

ان دلائل حسیئہ و حدیثیہ کے بعد امید ہے کہ اہل انصاف مصلحت اندیش کو کوئی خدشہ نہ رہا ہوگا، جبکہ اس تقریر سے وہ کتابیں وغیرہ بھی قابل تحرز قرار پائیں، جن میں مصالح کے ساتھ بعض مفاسد بھی ہوں، سو جن میں سرتاسر مفاسد ہوں، جیسے ناول (افسانے) وغیرہ جن سے اعمال و اخلاق کا بڑا حصہ نہایت گندہ ہو جاتا ہے۔ ان کا مطالعہ کس طرح جائز سمجھا جائیگا بالخصوص نوجوانوں اور عورتوں کو۔ بلکہ اگر ایسی کتابیں گھر میں دیکھی جاویں آگ میں جلا دینا ہی ان کا حق ادا کرنا ہے۔

اب اس ذیل میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عام لوگوں کے لئے ایک مختصر نصاب قابل مطالعہ کتب کا معین کر دیا جائے، تاکہ ان میں مشغول رہ کر مخدوش کتب سے محفوظ رہیں،

بہشتی زیور گیارہ حصے، تعلیم الدین، فروع الاعمال، تبلیغ دین قصد السبیل حیات المسلمین، شوق وطن اگر اس سے زیادہ مطول و مفصل ضرورت ہو کسی عالم محقق سے دریافت کر لیا جاوے۔

۴. علماء دین سے مسئلہ پوچھنا اس میں چند غلطیاں کی جاتی ہیں ایک یہ کہ کیف ما اتفق کسی سے مسئلہ پوچھ لیتے ہیں، بعض اوقات تو یہ بھی نہیں تحقیق کرتے کہ یہ شخص واقع میں عالم بھی ہے یا نہیں، کسی کا نام مولوی سن لیا اور اسی سے دین کی باتیں پوچھنے لگے، بعض اوقات عالم ہونا معلوم ہوتا ہے۔ مگر یہ نہیں دیکھتے کہ یہ کس مشرب کا کس عقیدہ کا ہے ایسے شخص کے جواب سے بعض اوقات

تو عقیدہ میں خرابی پیدا ہوجاتی ہے، اور بعض اوقات تردد اور شبہ میں پریشان ہوتا ہے، یا پریشان کرتا ہے، جیساکہ امراول کے بیان میں گذرچکا ہے۔

دوسری غلطی یہ کی جاتی ہے کہ ایک مسئلہ کو کئی کئی جگہ پوچھتے ہیں، بعض اوقات جواب مختلف ملتا ہے، تو اس وقت یا تو تعین راجح میں پریشان ہوتے ہیں، یا جس میں نفس کی مصلحت ہوتی ہے اس پر عمل کرتے ہیں، اور کبھی اس کی عادت ہوجاتی ہے، تو استفتا رسے یہی مقصود ہوجاتا ہے کہ نفس کے موافق جواب ملے اور جب تک ایسا جواب نہیں ملتا، برابر اس کد کاش میں رہتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ وضع تدین سے بمراحل بعید ہے، اور تلعب فی الدین ہے۔

تیسری غلطی اس دوسری غلطی سے یہ پیدا ہوتی ہے کہ بعض اوقات ایک مجیب کا جواب دوسرے مجیب کے سامنے نقل کردیا جاتا ہے، چونکہ بعض اوقات طبیعت کا خاص رنگ ہوتا ہے بعض اوقات نقل کا لب و لہجہ کچھ معارضانہ ہوتا ہے، اس لیے کبھی اس مجیب کی زبان سے دوسرے مجیب کی نسبت یا اس کے جواب کی نسبت کوئی ناملائم لفظ نکل جاتا ہے، پھر ناقل یا کوئی دوسرا اس مجیب تک اس کو پہنچادیتا ہے، پھر وہ کچھ کہہ دیتا ہے، اس کی خبر اس پہلے تک پہنچتی ہے اور بعض دفعہ بلکہ اکثر ان مقولات میں بھی بہت کچھ لفظی یا معنوی تغیر و تبدل کردیا جاتا ہے اور اس طرح باہم ایک فساد عظیم ان میں برپا ہوجاتا ہے۔

ایک غلطی یہ ہے کہ غیر ضروری مسئلے پوچھے جاتے ہیں۔ ایک غلطی یہ ہے کہ مسائل کے دلائل دریافت کیے جاتے ہیں، جن کے سمجھنے کے لیے علوم درسیہ کی حاجت ہے۔ چونکہ اس سائل کو وہ حاصل نہیں، اس لیے دلیل کو سمجھتا نہیں اور اگر اسی خیال سے کوئی مجیب دلیل بتلانے سے انکار کرتا ہے، تو اس غریب کی بد خلقی پر محمول کیا جاتا ہے۔ ایک غلطی یہ کی جاتی ہے کہ کسی سے کسی مسئلہ میں مباحثہ شروع کرتے ہیں پھر اپنی تائید کے لیے فتویٰ حاصل کرتے ہیں اور وہ فتویٰ اپنے مخالف کو دکھلا کر اس پر احتجاج کرتے ہیں، پھر وہ اپنے موافق فتویٰ حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے اس طرح خواہ مخواہ باہم جنگ وجدال کیا کرتے ہیں، حالانکہ عوام کو اس میں پڑنا موجبِ خطر ہے۔ اگر ان سے کوئی اہل باطل الجھے تو علماء کا حوالہ دے کر اس کو قطع کر دیا جائے اگر غرض ہو گی۔ آپ پوچھے گا۔

ان سب غلطیوں کی اصلاح اس سے ہو سکتی ہے کہ اپنا دستور العمل اسباب میں یہ رکھیں کہ جب کوئی ضروری بات پیش آوے، اپنے عمل کرنے کے لیے نہ کہ مباحثہ کے لیے، ایسے شخص سے مسئلہ پوچھیں جس کا معتبر محقق ہونا صحیح ذریعہ سے پہلے معلوم ہو۔ اور اس پر اعتماد و اعتقاد بھی ہو اور دلیل دریافت نہ کریں اور نہ کسی دوسرے عالم سے بلا ضرورت پوچھیں۔ اگر باوجود ان سب رعایتوں کے اس کے جواب میں شبہ رہے اور شفا نہ ہو، تو ایسی ہی صفت کے دوسرے عالم سے پوچھ لیں۔ اور اگر جواب پہلے کے خلاف ہو، تو پہلے کا جواب اس کے اور اس کا جواب پہلے کے سامنے نقل نہ کریں۔ اور جس قول

پر قلب مطمئن ہو۔ اس پر عمل کریں۔
یہی عمل اس حالت میں کریں جب کہ بلا مراجعت دوسرے عالم کے
خود بخود جواب اول کے خلاف کوئی جواب اس باب میں گوش زد ہو جائے۔ اگر
استفتا۔ تحریراً ہو تو ان روایات کے علاوہ اور بھی رعایتوں کا لحاظ رکھیں۔ یعنی
سوال کی عبارت اور خط بہت صاف ہو، حتی الامکان فضول غیر متعلق باتیں
اس میں نہ لکھیں، اپنا پتہ و نام صاف لکھیں، اگر کئی بار ایک ہی جگہ استفتا جاویں
تب بھی ہر خط میں اپنا پتہ اور نام صاف لکھیں اور جواب کے لئے ٹکٹ ضرور رکھ
دیا کریں، بلکہ اگر سوال دستی بھی بھیجیں تب بھی جواب کے لئے ٹکٹ رکھ دیں
پتہ پورا لکھ دیں، شاید اس وقت جواب مسئلہ کا نہ دے سکیں، تو بعد میں ڈاک میں
بھیج دیں، ورنہ ٹکٹ واپس آجائے گا، اور اگر کئی سوال ہوں تو کارڈ بھیجا کریں
اور اگر کبھی ایسا اتفاق ہو جائے، تو ان سوالوں پر نمبر ڈال کر ان کی ایک نقل
اپنے پاس بھی رکھ لیں اور مکتوب الیہ کو اطلاع دے دیں کہ ہمارے پاس سوالات
کی نقل نمبر دار موجود ہے، آپ اعادہ سوال کی تکلیف نہ کریں نمبروں کی ترتیب
سے جواب لکھ دیں۔

۳۔ وعظ سننا جس قسم کی غلطیاں نمبر اول میں کی جاتی ہیں، اس قسم کی
غلطیاں لوگ یہاں کرتے ہیں، کیونکہ تحریر و تقریر دلالت
احکام و آثار میں متقارب ہیں، یعنی لوگ ہر قسم کے واعظوں کا وعظ سن
لیتے ہیں، اس کے وہی مفاسد ہیں جو نمبر اول میں تھے اور ان کا وہی انسداد
ہے، جو مفاسد متعلقہ نمبر اول کا تھا، جب کوئی واعظ جدید آوے، آپ

شہر یا قریب کے کسی عالم معتبر سے اس واعظ کی حالت پوچھ لیں، اگر وہ اطمینان دلا دے، تو وعظ سنے ورنہ نہ سنے، کیونکہ بعض واعظ جاہل ہوتے اور بعض بد مذہب، اور ان میں بعض اپنے مدعا کے ذہن میں جما دینے میں ملکہ رکھتے ہیں، اور بعض ایسے چالاک ہوتے ہیں کہ اول اول مخاطبین کے موافق کہتے ہیں، پھر بعد مناسبت و موانست اپنے مسلک کی دعوت شروع کر دیتے ہیں، پس اس معاملہ میں محتاط رہنا چاہیئے، اور اگر باوجود احتیاط کے کوئی بات مشتبہ کان میں پڑ جائے، تو علمائے محققین سے اس کی تحقیق کر لیں،

۴۔ اہلِ کمال کی صحبت حاصل کرنا

اس میں جو دھوکا ہوتا ہے وہ بہت عام ہے، یعنی جو علماء منتسب اہل کمال کی ہیں، ان کی رعایت نہیں کی جاتی جن کو احقر نے مضمون سابق میں "قصد السبیل" سے نقل کیا ہے۔ ان کا انسداد ان علامات کی رعایت ہے بقول مولانا رومی رح ؎

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست، پس بہر دستے نہ باید داد دست

اس کے ذیل میں اس محبت کی مضرت بھی سمجھ لینا چاہیئے، جو مقتدا ہونا کرنا ہو۔ محض دوستی کے طور پر ہو، مگر وہ دوست بد دین ہو، یہ بھی غلطی عظیم ہے تجربہ سے ایک دوست کا اثر طبعاً دوسرے دوست پر ضرور ہوتا ہے اور مضر اثر جلد ہوتا ہے، اس لئے ارشاد نبوی ہے، المرء علی دین خلیلہ فلینظر بحالہ البتہ جو ملاقات بضرورت ہو، وہ مستثنےٰ ہے،

۵. گھر والوں کو خود پڑھانا اس میں جو غلطیاں ہوتی ہیں ان کا مجموعہ امور اربعہ کے بیان میں منتشر طور پر بطور علاج آگیا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ گھر والوں کے لئے کتابیں جو تجویز کی جائیں یا واعظ جو بلوایا جائے ان میں رعایات مذکورہ سابقہ ملحوظ ہوں اور یہ امر تصریح و تخصیص کے ساتھ اس میں قابل ذکر ہے کہ سیانی لڑکی کا معلم نامحرم جوان یا میانہ عمر کا نہ رکھا جائے۔" (اصلاح انقلاب)

حضرت تھانوی کے صدہا بالنظائر افادات علمیہ مفیدہ میں سے یہ مضمون حضرت کے علمی اہتمام اصلاحِ امت کا ایک مفید اور کارآمد نمونہ ہے جسکے ذریعہ حضرت نے اصلاحِ امت کا ایک جامع و مانع طریق تجویز فرمایا کہ اگر اس پر مسلسل اور متواتر عمل ہوتا رہے تو امت کے ہر طبقہ کی بسہولت اصلاح ہو سکتی ہے اور اس سے ہر زمانہ میں فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے،

مجازین صحبت و بیعت!

چشمۂ فیض حضرت تھانوی کی یہ بڑی خواہش تھی کہ ان کے بعد یہ چشمۂ فیض اسی طرح جاری رہے، اس لئے آپ نے جہاں اصلاحِ امت کے لئے مختلف دستور العمل مرتب فرمائے، وہاں سلسلۂ مجازین قائم رکھنے اس بات کا بھی اہتمام فرمایا کہ ان کے ذریعہ آئندہ بھی اشاعتِ طریق کا سلسلہ جاری رہے آپ کی خواہش تھی کہ

"میرے سپرد دین کے جتنے کام ہیں وہ سب میرے بعد بھی بدستور چلتے

رہیں، اور کسی کو میرے نہ ہونے کا اس بنا پر افسوس نہ ہو کہ فلاں دین کا کام
اب کون کرے گا، اس مصلحت سے بھی میں اپنی مختلف دینی خدمات کو وقتاً
فوقتاً دوسروں کے سپرد کر کے ادھر اُدھر منتقل کرتا رہتا ہوں،،

مجازین صحبت

اس لئے ایسے حضرات کی نسبت جو آپ کی تعلیم
و تربیت اور فیض صحبت سے اپنے اندر تلقین کی صلاحیت
پیدا کر چکے تھے ایک روز آپ کو خیال آیا کہ،،

بعض ایسے احباب کو جو تلقین کی کافی صلاحیت رکھتے ہیں، گو اجتماع
شرائط بیعت میں بعض خاص حالات کا انتظار ہے، تلقین بلا بیعت کی اجازت
دے دوں تاکہ وہ لوگوں کو جس قدر فیض پہنچانے کے اہل ہیں فیض پہنچا سکیں
اس سے ایک مقصود یہ بھی تھا کہ ایسے حضرات میں مزید اصلاح و تکمیل کا
شوق پیدا ہوگا۔ وہ بالکل بے فکر نہ ہو جائیں گے بلکہ اجازت بیعت کا درجہ
حاصل کرنے کے لئے پہلے سے زیادہ اپنی تکمیل کی فکر و سعی کرینگے ان حضرات کا
لقب آپ نے "مُجازِ صحبت" تجویز فرمایا،

آپ کی یہ تجویز بہت کارگر ثابت ہوئی، اور ایسے متعدد افراد اپنی
تکمیل و اصلاح میں پہلے سے کہیں زیادہ فکر مند اور سرگرم ہو گئے جن کی
اطلاعات حضرت کو برابر پہنچ رہی تھیں اور جن کی بنا پر حضرت نے اپنی اس
تجویز کے مفید ہونے کا ان الفاظ میں اظہار فرمایا کہ،

"الحمد للہ میرا یہ خیال کہ اس قسم کی اجازت دیدینا خود اجازت یافتگان
کے لئے بہت نافع ہوگا، بالکل صحیح نکلا، کیونکہ ان میں سے شاید ہی کوئی

ایسا ہو جس پر اس اطلاع کے ملتے ہی گریہ طاری نہ ہوگیا ہو۔ اور اپنی ناکارگی پیش نظر ہو کر خود اپنی فکرِ اصلاح نہ دامنگیر ہوگئی ہو جیسا کہ ان کے اطلاع یابی کے بعد کے خطوط سے معلوم ہوا،،

اس کے بعد یہ سلسلہ منتقل کر دیا گیا مجازین صحبت میں سے جن میں جملہ شرائط بیعت کا اجتماع ہو جاتا ان کو مجازِ بیعت بنا دیا جاتا۔

مجازین بیعت

مجاز بیعت صرف ان اصحاب کو بنایا جاتا تھا، جو (۱) متقی ہوں (۲) خود اپنی اصلاح کیے ہوئے ہوں (۳) ان کو طریق سے مناسبت پیدا ہو چکی ہو، لیکن محض علمی مناسبت نہیں بلکہ حالی (۴) ان میں دوسروں کی بھی اصلاح کرنے کی اہلیت پیدا ہوگئی ہو۔ (۵) اوصاف مذکورہ میں ان کو بقدر ضرورت رسوخ بھی حاصل ہوگیا ہو۔ (۶) ان سے یہ توقع بھی ہو۔ کہ گو فی الحال ان کو اوصاف مذکورہ میں رسوخ کا درجۂ ضروریہ حاصل ہے۔ لیکن وہ آئندہ ترقی کر کے اس رسوخ کا درجۂ کاملہ بھی حاصل کر لیں گے۔

حضرت کے ہاں اجازت بیعت و تلقین کے لئے یہ ضروری نہ تھا کہ وہ خود پہلے بیعت ہو چکا ہو بلکہ جن میں بیعت و تلقین کی خصوصیات پیدا ہو جاتیں۔ ان کو فوراً مجاز بنا دیا جاتا۔ کیونکہ نفع بیعت پر موقوف نہیں ہوتا بلکہ تعلیم اور اس کے اتباع پر موقوف ہوتا ہے۔ جو اصل غایت ہے۔

جن اصحاب کو حضرت والا مجاز بناتے۔ انکو اس امر کی اطلاع ان کے کسی خط میں تحریر فرما دیتے اور یہ بھی لکھ دیتے کہ اس کی اطلاع اپنے

خاص خاص احباب سے بھی کر دی جائے تاکہ وہ لوگ مطلع ہو کر ان سے نفع اٹھا سکیں، اکثر اس عنوان سے اجازت فرماتے کہ:

"بے ساختہ یہ قلب میں آیا کہ آپ کو بیعت و تلقین کی اجازت دے دی جائے، لہذا توکلاً علی اللہ آپ کو اجازت دیتا ہوں، اللہ تعالیٰ نفع کو عام اور تام فرمائے۔ اگر کوئی رجوع کرے۔ تو انکار نہ کریں"

اور ان کا پورا نام اور پتہ اپنے پاس بطور یادداشت تحریر فرما لیتے تھے، پھر ان کو تنبیہاتِ وصیت کے تتمات میں جو وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہتے تھے۔ شائع فرما دیتے تھے۔ تاکہ کوئی غیر مجاز اپنے آپ کو اجازت یافتہ نہ قرار دے سکے۔ اور لوگوں کو دھوکہ نہ دے۔ اس کی ضرورت اس لئے پیدا ہوئی کہ بعض ارباب غرض نے خود کو حضرت کا مجاز ظاہر کر کے لوگوں کو دھوکہ دیا تھا۔ اس کیلئے حضرت فرماتے تھے کہ:

"پہلے زمانہ میں نہ اتنے جھوٹے ہوتے تھے۔ نہ ایسے امور میں جھوٹ بولنے کی جرأت ہوتی تھی۔ اس لئے اُس وقت اتنی احتیاط کی ضرورت ہے جس کی تصدیق واقعات سے ہوتی ہے۔ نیز اس اشاعت میں یہ بھی مصلحت ہے کہ طالبین کو حضرات اہلِ اجازت کا علم ہو جائے۔ اور وہ ان سے نفع حاصل کر سکیں"

اجازت یافتگان میں جو غیر اہل علم ہوتے تھے۔ ان کو صرف عوام کے لئے اجازت ہوتی تھی کیونکہ اس سے اہل علم کی تسلی ہونا مستبعد تھی اور اس امر کو ظاہر کرنے کیلئے فہرستِ اجازت یافتگان میں ایسے مجازین کے نام کے

آگے لفظ للعوام کا اضافہ فرما دیتے تھے۔ البتہ جن بعض غیر اہل علم سے بوجہ ان کی خوش فہمی کے یہ توقع ہوتی کہ وہ اہل علم کی بھی تسلی کر سکیں گے۔ اور ان سے اہل علم کو رجوع کرتے ہوئے استنکاف نہ ہوگا۔ ان کو اجازت عامہ بھی عطا کی جاتی تھی۔ اور فہرست میں ان کے نام کے آگے لفظ للعوام نہیں بڑھایا جاتا تھا

عملی تربیت حضرت تھانویؒ ایسے طالبین کو جن سے ابتداءً مناسبت ہونے کی توقع نہیں ہوتی تھی، یا جو بیعت بلا تعلیم کی شرائط کو پورا کر کے صرف بیعت ہونا چاہتے تھے بکثرت اپنے خلفاء و مجازین کے سپرد فرماتے رہتے تھے، تاکہ مجازین کو بھی امر تربیت میں ملکہ تامہ حاصل ہو جائے چنانچہ جب کسی طالب کی کوئی الجھی ہوئی حالت ہوتی، تو حضرت والا کے مجازین حضرت سے مشورہ لیتے رہتے۔ اور خود حضرت کو بھی اپنے سپرد کردہ طالبین کے اصلاحی خطوط کو مع اپنے مجازین کے جوابات کے ملاحظہ فرمانے کا اتفاق ہوتا رہتا۔

ان مجازین سے بفضلہ تعالیٰ کثیر مسلمانوں کو فائدہ پہنچا رہا۔ اور جو اس وقت حیات ہیں ان سے ہزاروں لوگ بدستور مستفید و مستفیض ہو رہے ہیں اور ان کی تعلیم و تربیت کی برکت سے متعدد طالبین بعد تکمیل انہیں کی طرف سے صاحب اجازت بھی ہو گئے جس پر حضرت بڑی مسرت کا اظہار فرمایا کرتے تھے۔ کہ خدا کے فضل سے یہ لوگ بہت سے مشائخ وقت سے زیادہ نفع رساں ہیں اور جن کی بے پروائی اور تاخیر جواب وغیرہ کا حال معلوم ہوا تو طالبین کو اپنی طرف سے ان کے سپرد فرمانا چھوڑ دیا۔ اور اس کام کی بار بار تاکید

فرمائی کہ بہت توجہ اور شفقت کے ساتھ طالبین کی تربیت کرنی چاہیئے اور جو کم توجہی سے کام لیتے تھے۔ ان کی شکایت بھی فرماتے تھے۔ حضرتؒ کے اس دستورالعمل سے مجازین کو اسی طرح فائدہ پہنچتا تھا۔ جیسے کسی حکیم کے شاگرد کو اپنے استاذ کے مطب میں بیٹھ کر تجربہ حاصل کرنے یا اس کی نگرانی میں مطب کرنے سے فائدہ پہنچتا ہے اور اس سے حضرت کو بھی اطمینان ہو جاتا، کہ آئندہ سلسلہ چل سکے گا۔ چنانچہ آپ بہ مسرت فرمایا کرتے تھے کہ،

"الحمد للہ اب اپنے چند احباب ایسے ہو گئے ہیں۔ جو بفضلہ تعالیٰ طریق کو اچھی طرح سمجھ گئے ہیں اور امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ بھی ان کے ذریعہ اشاعتِ طریق کا سلسلہ جاری رہے گا"۔

یہ تو باقاعدہ اجازت یافتہ حضرات کا حال ہے۔ ویسے بھی حضرت کا ہر تعلیم و تربیت یافتہ کسی شیخ سے کم نہیں ہوتا تھا۔ اسی لئے حضرت نے ایک دفعہ فرمایا تھا کہ :-

"الحمد للہ اس صورت میں جتنے میرے احباب ہیں وہ اکثر ایسے تو ہیں جن پر اطمینان ہے۔ ورنہ اگر میں وسعت کرتا۔ تو ہر قسم کے لوگ بھر جاتے اور خلط مبحث ہو جاتا اب تو الحمد للہ فہم و اہتمام دین کے لحاظ سے میرے قریب قریب سب احباب ہی بفضلہ اس قابل ہیں کہ ان کو اجازت دے دی جائے۔ لیکن چونکہ کچھ نہ کچھ وجاہت بھی اجازت کے لئے مصلحت ہے اس لئے پس و پیش ہے"۔

اخراجِ مجازین

خلفائے مجازین میں سے جن کی حالات معلوم نہ ہوتے رہتے یا مشتبہ حالات سننے میں آتے حضرت احتیاطاً ان کے نام فہرست مجازین سے خارج فرما دیتے، لیکن ان کو اہانت سے بچانے کے لئے ان کے نام شائع نہیں فرماتے تھے بلکہ اخراج کے اعلان کی یہ صورت فرماتے کہ آئندہ جو فہرستِ مجازین شائع ہوتی۔ اس میں ان کے نام درج نہ کئے جاتے اور صرف ان کے نام درج کئے جاتے جن کی اجازت باقی رکھی جاتی تھی۔ البتہ جو وفات پا جاتے ان کے نام ضرور شائع فرما دیتے تھے۔

اس معاملہ میں کمال احتیاط یہ تھی کہ جن کے نام اختیاراً خارج ہو کر درج فہرست نہ کئے جاتے ان کے متعلق یہ تنبیہ بڑھا دی جاتی تھی کہ:

"بقیہ اوروں کو مجاز نہ سمجھنا ان کی صلاحیت کی نفی نہیں۔ میرے علم صلاحیت کی نفی ہے یعنی ان کے قابل اجازت ہونے کی اب مجھ کو تحقیق نہیں۔"

البتہ اس قاعدہ کے خلاف ایک دفعہ مصلحتاً ایک صاحب کو بذریعہ خط فسخ اجازت اور فسخ بیعت کی اطلاع دے کر اس خط کی نقل تتمہ تنبیہات وصیت میں شائع فرما دی مگر اس کے ساتھ ہی بخیال غایت تحفظ حدود یہ اطلاع عام بھی بڑھا دی کہ:

"مقصود اس سے صرف ان لوگوں کو اطلاع دینا ہے۔ جو محض میری بیعت و اجازت کی بنا پر ان سے رجوع کرتے اور جن کے رجوع کی یہ بنا نہ ہو، وہ میرے مخاطب نہیں۔ ہر شخص کو اپنے دین کا اختیار ہے۔"

غرضیکہ حضرت کے ہاں ہر شے اپنی حد پر تھی۔ کسی بات میں نہ افراط تھی

نہ تفریط، اور یہی صفتِ اعتدال آج کل عنقا ہے،

درخشندہ ستارے

حضرت تھانویؒ کے مجازین میں بفضلہ تعالیٰ بڑی بڑی مقدس ہستیاں اور بڑے بڑے صاحب احوالِ رفیعہ ومقاماتِ عالیہ اور اہل علم وتقویٰ گزر چکے ہیں اور موجود ہیں جو اس وقت ہندو پاکستان اور دیگر ممالک میں نہایت سر گرمی سے طالبین وسالکین کی تعلیم وتربیت میں مشغول ہیں اور بندگانِ خدا کو فیض پہنچا رہے ہیں، آسمان علم وشہرت پر مہر وماہ کی طرح چمکنے والے حضرت کے بعض نادرۂ روزگار وصاحب کمال مجازین ومنتسبین کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں (۱) علامہ شبیر احمد عثمانیؒ (۲) حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند (۳) مولانا سید سلیمان ندویؒ (۴) مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی (۵) مولانا ظفر احمد عثمانی (۶) مولانا مفتی محمد حسن امرتسری (۷) مولانا عبدالباری ندوی (۸) مولانا شبیر علی تھانوی (۹) مولانا خیر محمد صاحب جالندہری (۱۰) مولانا عبدالماجد دریابادی،

تصنیفات وخطبات

امداد الٰہی

حضرت تھانوی رہ کی تصنیفات وتالیفات اور خطبات وملفوظات کی تفصیل پیش خدمت کی جاتی ہے جو بظاہر ایک انسان کا نہیں بلکہ ایک بہت بڑے ادارہ یا اکاڈمی کا کام نظر آتا ہے اور جس کی طویل فہرست آپ کے لئے موجب حیرت ہوگی۔ جیساکہ خود صاحب سیرت کے لئے موجب حیرت ثابت ہوئی۔ ایک مرتبہ ایک خادم نے آپ سے عرض کیاکہ آپ کا اتنی عمر میں اتنی کتابیں تصنیف کرنا تعجب معلوم ہوتا ہے۔ فرمایا...... تالیف وتصنیف کے بعد اب میں بھی تعجب کرتا ہوں کہ مجھ سے اتنا کام کیسے ہوگیا اور تعجب کی ایک بات اور ہے کہ بعض اوقات بعض مضامین میرے لکھے ہوئے میری ہی سمجھ میں نہیں آتے حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کا قصہ ہےکہ ایک جنگ میں ایک کافر پہلوان آکر للکارا کہ کہاں ہیں ابوعبیدہ میرے مقابلہ میں آویں! آپ نے جانے کا قصد کیا۔ تو لوگوں نے کہاکہ ہم حاضر ہیں۔ آپ اس دبو کے مقابلہ کو کیوں جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایاکہ اس سے مجھ کو غیرت آتی ہے۔ کیوں کہ اس نے میرا ہی نام پکارا ہے چنانچہ تشریف لے گئے۔ مقابلہ ہوا، دونوں جانب سے وار ہوئے۔ دفعتہً دیکھاکہ اس کا سر کٹا ہوا علیحدہ پڑا ہے حضرت ابوعبیدہ فرمانے لگے کہ حیرت ہے یہ کیسے ہوا عقل کام نہیں کرتی اسی لئے قرآن مجید میں ارشاد ہے۔ وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ

کہ یہ تو سب اللہ تعالیٰ کی امداد ہے۔ بجز اس کی عنایت کے کچھ نہیں ہو سکتا
ایک اور صاحب نے حضرت کی تالیفات کی کثرت پر مدح و تعریف کی تو
فرمایا کہ :-

"جو کچھ کام ہوا ہے اللہ تعالیٰ کی امداد و توفیق سے ہوا ہے جس سے چاہا
اپنا کام لے لیا اس میں بندے کی کیا تعریف ہے۔ اس کی مثال تو ایسی
ہے، جیسے کسی منشی نے ایک بچے کے ہاتھ میں قلم دے کر اور اپنے ہاتھ میں
اس کا ہاتھ لے کر خوشخط لکھدیا۔ اب بچہ خوش ہو رہا ہے کہ میں نے لکھا ہے۔
حالانکہ وہ منشی جی نے لکھا ہے۔" (تالیفاتِ اشرفیہ ص۶)

اسبابِ کثرتِ تالیفات

کثرتِ تالیفات کی دوسری درجہ آپ نے یہ بیان فرمائی کہ،

"میرے مزاج میں حرارت ہے۔ اس حرارت ہی کی وجہ سے اتنی حدت
بھی ہے۔ اگر دوسرے کا مزاج اتنا گرم ہو۔ تو وہ اتنا ضبط نہ کرے میں بہت
ضبط کرتا ہوں اور اسی حرارتِ مزاج کا یہ بھی اثر ہے کہ اتنے تھوڑے سے زمانہ
میں بحمد اللہ اتنی تصانیف ہو گئیں ٹھنڈے مزاج والے سے اتنی تصانیف
تھوڑا ہی ہو سکتی ہیں۔"

مزید فرمایا۔ اس میں حضرت حاجی صاحب کی دعا کا بھی اثر ہے۔ مکہ معظمہ میں
حضرت مرشد علیہ الرحمۃ کے حکم سے تنویر کا ترجمہ لکھا کرتا تھا، اور حضرت کو سنا
بھی دیتا تھا۔ ایک بار حسب معمول سنایا تو حضرت نے دریافت فرمایا کہ کتنی
دیر میں لکھا ہے۔ عرض کیا کہ اتنے وقت میں فرمایا۔ اتنے سے وقت میں تو

کوئی بھی اتنا مضمون نہیں لکھ سکتا اور بہت دعائیں دیں، میں نے ابھی ۱۲ ستمبر ۱۹۳۰ء تک کی اپنی تصانیف کا شمار کیا۔ تو پانسو انتیس ہوئی ہیں، انکو اس طرح شمار نہیں کیا کہ مثلاً تفسیر کی بارہ جلدیں ہیں۔ تو بارہ ہی شمار کرلی گئی ہوں بلکہ اس کو ایک ہی شمار کیا گیا ہے۔ ایک کتاب اور لکھ رہا ہوں۔ انشاء اللہ ۵۳۰ ہوجائینگی ؛

جدول مضامین

۱۲ ستمبر ۱۹۳۰ء کے بعد کی تصنیفات و تالیفات اور خطبات (القول الجلیل) ملفوظات اور کتب اکل کی تعداد نوسو سے زائد ہوجاتی ہے، اتنی کتب کے مضامین کا یاد رکھنا کہ کون سا مضمون کس کتاب میں ہے، بڑا مشکل تھا، اور فوری حوالہ دینے کی ضرورت ہوتی تو تلاش میں بڑی وقت کا سامنا کرنا پڑتا۔ اس مشکل کے حل کی آپ نے ایک عجیب ترکیب نکالی۔ جس کی تفصیل آپ کے اس بیان میں ملتی ہے فرمایا کہ

" میرا حافظہ ضعیف ہے، اپنا بعض ضروری مضمون تلاش کرتا ہوں کہ کس جگہ اور کس کتاب میں ہے، تو نہیں ملتا۔ اس لئے میں نے سب کتابوں کو دیکھ کر بطور یادداشت کے ایک جدول بنائی ہے۔ تاکہ اس کو دیکھ کر کتاب میں نکال لوں، جو جدول جدید مضامین کی ہے۔ اس کا نام غرائب الرغائب ؟ یہ مطبوع بھی ہے اور دوسری جدول جو قدیم مضامین کی ہے اس کا نام الکلم الدالۃ علی الحکم الضالۃ " ہے۔ اگر میں مضامین کو ایک جگہ جمع کرتا۔ تو محنت ہوتی اور خرچ بھی پڑتا۔ اب کوڑیوں میں کام نکل گیا۔ بلکہ کوڑی بھی صرف نہیں ہوئی "

اہمیت و افادیت

تصنیف وتالیف کوئی آسان کام نہیں ہے اور امورِ دین واسلام کے متعلق کتب لکھنا تو اور بھی مشکل کام ہے کیونکہ اس سلسلہ میں خفیف سی لغزش. کوتاہی اور تسامح کے نتائج بہت ہی مضرت رساں نکلتے ہیں. کسی کتاب کی تصنیف وتالیف کے سلسلہ میں مصنف یا مؤلف کو جن جن مشکلات سے دوچار ہونا پڑتا ہے، اس کا قارئین کرام کو قطعاً اندازہ نہیں ہو سکتا، انہی کثیر کتب کے مصنف کو کن حالات کا سامنا کرنا پڑا ہوگا. اس کا اندازہ صرف "حیات المسلمین" کی تفصیل سے لگایا جا سکتا ہے. حضرت تھانویؒ کا ارشاد ہے کہ،،

"یہ کتاب ان اعمال کی فہرست ہے کہ جن سے یقینی طور پر دنیا کی بھی فلاح حاصل ہو گی اور دین کی بھی میں نے اس کو بہت سوچ سوچ کر لکھا ہے. اس کے لکھنے میں مجھ کو تعب ہوا ہے. میں اول اسکے مضامین لکھتا تھا. پھر ان کو سہل کرتا تھا. اس کے بعد دیکھتا تھا، اگر کم سہل ہوئے تو پھر دوبارہ سہل کرتا تھا، اور ہر ماہ میں اس کے دو ورق لکھا کرتا تھا، اور وہ دو ورق بھی بعض مرتبہ کئی کئی بار کے مسودے میں لکھے جاتے تھے لوگ اس کو اردو میں دیکھ کر بے وقعت سمجھتے ہیں. اس کی قدر ان علماء کو ہو سکتی ہے جو حدیث شریف پڑھاتے ہیں، وہ دیکھیں گے کہ کون سا اشکال کہاں پر کس ذرا سے لفظ سے حل ہو گیا ہے،،

گو حضرت کی کتابیں بے شمار ہیں اور ہر موضوع پر ہیں مگر اگر انسان خلوص کے ساتھ کسی ایک کتاب پر بھی عمل کرے. تو دینی اور دنیوی صلاح وفلاح

یقینی ہے، چنانچہ حضرت فرماتے تھے کہ،،

''اگر مناسبت ہو جائے تو ہمیں کتابوں کو لیکر بیٹھ جاوے۔ عمر بھر کے لئے رہبری کے واسطے کافی ہیں، مثلاً ''قصد السبیل'' ''تعلیم الدین'' ''تربیت السالک'' وغیرہ''

(ملفوظ مورخہ ۲۷ شوال ۱۳۴۸ھ)

اسی طرح ''حیات المسلمین'' کے متعلق فرمایا کہ،،

مجھ کو اپنی کسی تصنیف کے متعلق یہ خیال نہیں ہے کہ یہ میرا سرمایۂ نجات ہے البتہ ''حیات المسلمین'' کے متعلق میرا غالب خیال قلب پر ہے کہ اس سے میری نجات ہو جائے گی۔ اس کو میں اپنی ساری عمر کی کمائی اور ساری عمر کا سرمایہ سمجھتا ہوں''

(تالیفات اشرفیہ ص۴)

مواعظ کے متعلق فرمایا کہ،،

''لوگ مواعظ نہیں دیکھتے، حالانکہ ان میں سب کچھ ہے، گو وہ چھپے ہوئے ہیں مگر چھپے ہوئے ہیں۔ ان میں وہی باتیں ہیں، جو علماء و صلحاء کی کتابوں میں ہیں کوئی جدید بات نہیں ہے، صرف زمانہ کا لحاظ ہے۔ جو شیخ الرئیس کے نسخے ہیں، وہ بعینہ حکیم محمود خان صاحب کے زمانہ میں کام نہیں آتے وہاں قدح بھر دوائیں ہوتی تھیں یہاں مختصر سے کام لیا جانے لگا۔

(ملفوظ مورخہ ۷ ذیقعدہ ۱۳۴۸ھ)

تردید و تنقید حضرت کی تحریروں میں دوسرے فرقوں کا براہِ راست رد نہ ملے گا۔ جیسا کہ آپ کے اس ارشاد سے ظاہر ہے کہ ''میں نے قصداً کسی کا رد نہیں لکھا، نہ اہل تشیع۔ نہ قادیانی۔ نہ غیر مقلدین

نہ اہل بدعت کا۔ البتہ جس کسی نے کسی کے متعلق سوال کیا، اس کا جواب لکھ دیا۔ اور مجھ کو یاد نہیں رہتا کہ کس کے متعلق کیا لکھا ہے۔

(ملفوظ مورخہ ۲۲ر صفر ۱۳۵۲ھ)

آپ نے اپنی کسی کتاب پر تقریظ نہیں لکھوائی، کیونکہ آپ فرماتے تھے کہ یہ "میں نے اپنی تالیف پر کسی سے تقریظ لکھوانے کی کوشش نہیں کی تحریر موجود ہے۔ دیکھ لو۔ تقریظ کی کیا ضرورت ہے"

موضوعِ تصنیف

حضرت تھانوی رح نے مختلف موضوعات پر حسب ذیل کتابیں لکھیں،

علم القرآن

(۱) ترجمہ قرآن (۲) تفسیر بیان القرآن دربارہ جلد (۳) جمال القرآن (۴) تجوید القرآن (۵) آداب القرآن (۶) یادگارِ حق القرآن (۷) متشابہات القرآن (۸) ظہور القرآن (۹) اصلاح ترجمہ دہلویہ (۱۰) اصلاح ترجمہ حیرت (۱۱) التواجہ ما تعلق بالتشابہ (۱۲) رفع الخلاف فی حکم الاوقات (۱۳) سبق الغایات فی نسق الآیات (۱۴) تصویر المقطعات بتیسیر بعض العبادات (۱۵) وجوہ المثانی (عربی) (۱۶) زیادات علی کتب الروایات (۱۷) ذنابات لما فی الزیادات (۱۸) تنشیط الطبع فی اجراء السبع (۱۹) تقریر بعض البنات (۲۰) رفع البیلار فی رفع السمار (۲۱) حسن تاثث فی النظر الثانی (۲۲) التقصیر فی التفسیر (۲۳) الہادی للحیران فی وادی تفصیل البیان (۲۴) تمہید الفرش فی تحدید العرش (۲۵) تعبیر المزجانج

علم الحدیث

(۱) جامع الآثار (۲) تابع الآثار (۳) حفظ اربعین (۴) المسک

الذکی (۵) الثوب التحی (۶) اطفاء الفتن (۷) موخرۃ الظنون (۸) الادراک و التواصل الی حقیقۃ الاشتراک والتوسل۔

عقائد

(۱) اکسیر فی اثبات التقدیر (۲) فروع الایمان (۳) حفظ الایمان (۴) بسط البنان (۵) تغیر العنوان فی بعض عبارات حفظ ایمان (۶) احکام التجلی (۷) ظہور العدم بنور القدم (۸) طلوع البدر فی سطوح القدر (۹) شق الحبیب فی حق الغیب (۱۰) نموذج بعض معتقدات ابن العواج (۱۱) نافع الاشارہ الی منافع الاستخارہ (۱۲) جزاء الاعمال (۱۳) احکام الایمان

عبادات

(۱) القول البدیع (۲) زکوٰۃ الفرض (۳) سراج الذنب (۴) الساعات للطاعات (۵) تعلیم الدین (۶) حیات المسلمین (۷) باب الریان (۸) بیت الدیان (۹) عیش الحیان (۱۰) الخطب الماثورہ (۱۱) خطبات الاحکام (۱۲) کلمۃ القوم فی حکمۃ الصوم

تصوف

(۱) دخول وخروج بر نزول وعروج ..... (۲) قصد السبیل (۳) تعلیم المطالب (۴) رفع الشکوک (۵) مسائل السلوک التشریف بمعرفۃ احادیث التصوف چہار حصے (۷) تکمیل التصوف (۸) ملخص الانوار والتجلی (۹) مسائل مثنوی (۱۰) حقیقت الطریقت (۱۱) الکنکت الدقیقہ (۱۲) التکشف عن مہمات التصوف (۱۳) تائید الحقیقۃ (۱۴) انوار الوجود فی اطوار الشہود (عربی) (۱۵) ..... التجلی العظیم فی احسن تقویم (۱۶) حق السماع (۱۷) کلید مثنوی (۱۸) عرفان حافظ (۱۹) معارف العوارف دو حصے (۲۰) مغارف المعارف (۲۱) الابتلاء لاہل الاصطفاء (۲۲) ترتیب

السالک (۲۳) المجلاء والثوف فی الرضا والخوف (۲۴) رضی الاقوال (۲۵) الوار النظر فی آثار النظر (۲۶) ایلیم فی السمم (۲۷) الظلم فی السمم (۲۸) رفع الضیق عن اہل الطریق (۲۹) البصائر فی الدوائر (۳۰) الرفیق فی سواء الطریق دو حصے (۳۱) شمس الفضائل لطمس الرذائل (۳۲) لامع علامات الاولیاء (۳۳) التحریض علیٰ صالح التعریض (۳۴) الارشاد الی مسئلۃ الاستعداد (۳۵) شجرۃ المراد (۳۶) المصحصہ فی حکم الوسوسہ (۳۷) الاعتدال فی متابعۃ الرجال (۳۸) القول الفصل فی بعض آثار الوصل (۳۹) تمییز العشق من الفسق (۴۰) مثنوی زیروبم (۴۱) رونمائے مثنوی (۴۲) حسن العلاج لسوء المزاج (۴۳) اصلاح المزاج۔

منطق (۱) تلخیص المرقات (۲) تلخیص الشریفیہ (۳) تسہیل المعانی (۴) تلخیص المنار (۵) المنار (۶) درایۃ العصمۃ (۷) تلخیص ہدایۃ الحکمۃ (۸) تلخیص البدایۃ (۹) تذییل شرح عقائد (۱۰) عشرہ طروس دیہ سب عربی میں ہیں (۱۱) تیسیر المنطق۔

علم الکلام اقامۃ الطامہ علیٰ زائم (۲) الانتبابات المفیدہ (۳) تعلیم الدین مع تکمیل الیقین (۴) المصالح العقلیہ ۳ جلد (۵) الخطاب الملیح فی تحقیق المہدی والمسیح (۶) قائد قادیان (۷) القول الفاصل (۸) التادیب لمن لیس لہ (۹) التنبیہ الطربی فی تنزیہ ابن العربی (۱۰) ارسال الجنود الی ارسال الہنود (۱۱) تقطیف الثمرات فی تخفیف السطرات (۱۲) الفتوح فیما یتعلق بالروح (۱۳) الحق (۱۴) تقدیس القدسی عن تدنیس اللبسی

(۱۵) نہایۃ الادراک فی اقسام الاشراک (۱۶) عمارۃ العالم بإبارۃ الآدم (۱۷) بلوغ الغایۃ فی تحقیق خاتم الولایۃ (۱۸) حفظ المحدود لحقوق الجدود (۱۹) التنعیم فی الجحیم (۲۰) رفع الزحمۃ من وسع الرحمۃ (۲۱) الکلمۃ القامعہ فی النبوۃ التامہ (۲۲) تدویر الفلک فی تطہیر الملک (۲۳) القول الانفع فی تحقیق امکان الابدع (۲۴) نعم العون فی تحقیق توبۃ فرعون۔ (۱۴) سے (۲۴) تک سب عربی میں ہیں) (۲۵) القطر المشید المعصر الجدید۔

اصلاحیات

تصحیح العلم فی تقبیح العلم (۲) تحقیق تعلیم انگریزی (۳) تحقیق التقریب فی حکم آلہ تقریب الصوت البعید (لاؤڈ سپیکر) (۴) تفصیل الکلام فی حکم تقبیل الاقدام (۵) اصلاح المعتوہ فی تعریف الحرام والمکروہ (۶) اصلاح الرسوم (۷) اصلاح الخیال (۸) اصلاح انقلاب دو حصہ (۹) آداب المعاشرت (۱۰) آداب الاخیار (۱۱) اخبار بینی (۱۲) افکار دینی (۱۳) فیصلہ ہفت مسئلہ (۱۴) نصیحت نامہ بجواب وصیت نامہ (۱۵) علاج الخیال سجادہ نشینی (۱۶) شذرات الحکم (۱۷) المواہب (۱۸) اغلاط العوام (۱۹) تسہیل الطریق۔

سیاسیات

(۱) الروضۃ المناظرہ (۲) حکایات الشکایات (۳) الصحف المنشورہ فی فضائل المائۃ انگورہ (۴) معاملۃ المسلمین (۵) صیانۃ المسلمین (۶) ضم شاد الابل فی زم شارد الابل (۷) المحفوظ الکبیر للحافظ الصغیر (۸) احقر کے مسلک کی شرح (۹) احکام ائتلاف (۱۰) فتنہ دیوبند (۱۱) تلبیس العرائک فی تقبیح اسٹرائک (ہڑتال) (۱۲) الشکر والدعا للنصر د

بالنصر یوم اللقاء ۔

معاملات (۱) صفائی معاملات (۲) الحق الصراح فی تحقیق اجرت النکاح (۳) التوریع عن فساد التوریع (چندہ) (۴) رافع الضنک عن منافع البنک (سود بنک) (۵) کشف الغشو عن وجہ الرشوۃ (رشوت) (۶) تحذیر الاخوان عن الربوا (سود) (۷) جلائل الانبار (۸) آداب المعاشرت (۹) رد التواحد فی طلاق ذات التعدد (۱۰) الخطوب المذیبہ للقلوب المنیبہ (۱۱) تحقیق التشبہ باہل السفاح لمن لا یرید اداء المہر فی النکاح (۱۲) تعدیل اہل الذم فی درجۃ تقابل المہر (۱۳) الاقتصاد فی التقلید والاجتہاد ۔

تذکار (۱) نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب (یہ اب حبیبِ خدا کے نام سے شائع ہوئی ہے) (۲) شم الطیب (۳) یادِ یاراں ذکر محمود (۵) خوان خلیل (۶) الترتیب الطیف فی قصہ الکلیم والحنیف (۷) سیدنا یوسف ؑ (۸) تعلیم الطالب شجرہ طیبہ چشتیہ عالیہ (۹) السنۃ الجلیا فی الچشتیہ العلیہ (۱۰) یادگار دربار پرانوار حضرت خواجہ اجمیریؒ (۱۱) حکایاتِ موعظت (۱۲) انوار المحسنین (۱۳) حسن التفہیم لمقولہ سیدنا ابراہیم ؑ (۱۴) تحسین دار العلوم تنزیہ الوار النجوم (۱۵) تشریف الدرایات ۔

اذکار (۱) خیر الدلالہ (۲) القول الصحیح فی تحقیق دوازدہ تسبیح (۳) اوراد ربانی (۴) الاستبعار فی فضل الاستغفار (۵) قربات عند اللہ وصلوٰۃ الرسول (۶) تتمہ قربات عند اللہ (۷) طریقہ مولد شریف (۸) زاد السعید فی الصلوٰۃ علی النبی (۹) مواجِ طلب (۱۰) مناجات مقبول ترجمہ قربات ۔

فتاویٰ

امداد الفتاویٰ جلدیں اولین (۲) امداد الفتاویٰ جلدین اخیرین (۳) تتمہ اولیٰ وثانیہ امداد الفتاویٰ (۴) تتمہ ثالثہ امداد الفتاوی (۵) تتمہ رابعہ امداد الفتاویٰ (۶) امداد الفتاویٰ تتمہ (۷) حوادث الفتاویٰ تتمہ (۸) فتاویٰ اشرفیہ اول (۹) فتاویٰ اشرفیہ دوم (۱۰) فتاویٰ اشرفیہ سوم (۱۱) تتمہ خامسہ امداد الفتاویٰ (۱۲) کمل الادیان فی اسہل اللسان (۱۳) تفصیل المحرم فی فصل المحرم (۱۴) مسائل اہل الخط (۱۵) القول الجلی (۱۶) اعداد الجنتہ،

اسلامیات

(۱) درجۃ الحسام من اشاعت الاسلام (۲) حقوق الاسلام (۳) حقوق العلم (۴) ارشاد الہائم فی حقوق البہائم (۵) شہادۃ الاقوام (۶) آداب المساجد (۷) تنویر السراج (۸) تعدیل حقوق الوالدین (۹) شوق وطن (۱۰) تنبیہاتِ وصیت (۱۱) ظل صفہ (۱۲) الغدر والنذر (۱۳) الاستحضار الاختصار (۱۴) وصل السبب فی فصل النسب (۱۵) بیان الوفو فی اعوان ابن سعود (۱۶) اخبار اہل المجد عن آثار اہل النجد (۱۷) بہشتی گوہر (۱۸) البوادر النوادر (۱۹) الانسداد لفتنۃ الارتداد۔

نسائیات

(۱) بہشتی زیور دس حصے (۲) بہشتی جوہر (۳) اصلاح النساء (۴) رفع الارتیاب عن مسئلہ ثبوت الانساب (۵) کسوۃ النسوۃ (۶) ثبات الستور (۷) القاء السکینہ (۸) الحیلۃ الناجزہ (۹) القول الصواب فی مسئلۃ الحجاب (۱۰) کثرۃ الازواج

عملیات

(۱) التقی فی احکام الرقی (۲) اعمال قرآنی (۳) خواص قرآنی (۴) آثار بغدادی۔

متفرقات

(۱) سکانت المنکر الآفات المسکر (۲) تعدیل التقویم (۳) ترجیح الراجح (۴) کرامات امدادیہ (۵) امداد المشتاق (۶) سواد خوبی (۷) الطرائف والظرائف (۸) زوال السنہ اعمال السنہ (۹) نیل الشفاء بنعل المصطفیٰ (۱۰) نصح الاخوان فی حروف الزمان (۱۱) القول الاحکم (۱۲) الحکم الحقانی (۱۳) عمدۃ الرؤیا (۱۴) الشراب السراب (۱۵) نبار القبہ (۱۶) خاتمہ بالخیر . تنقیف الاسماء (۱۷) لوح الالواح (۱۸) عبور البراری (۱۹) المنتخب من الخطب (۲۰) الکلم الالٰہ (۲۱) عوائد العوائد (۲۲) غرائب الغرائب (۲۳) الرق المنشور (۲۴) جمع الصکوک فی قمع الشکوک (۲۵) چار جوئے بہشت (۲۶) تحسین دار العلوم (۲۷) الکلم الطیب (۲۸) جزل الکلام فی عزل الامام (۲۹) سبعہ سیارہ (۳۰) نصیری بشرح کلام نظیری (۳۱) نقایات الصیب (۳۲) مائۃ دروس (۳۳) اللطائف (۳۴) امثل الاقوال الافاضل الرجال (۳۵) رفع الاغلاط (۳۶) تفصیل محمودیت (۳۷) الشوارق فی الخوارق ،

مکتوبات

(۱) خطاب الہند (۲) خطوط خونی (۳) المعلومات الارشادیہ (۴) مکتوبات امدادیہ (۵) معیار الافہام (۶) مکتوب محبوب القلوب مکتوبات خیرت .

ملفوظات

کمالات امدادیہ (۲) المشق الامدادی (۳) حسن العزیز چہار حصہ (۴) مقالات حکمت (۵) مجادلات معدلت (۶) مزید المجید (۷) مجالس الحکمت (۸) مقالات حسنہ (۹) الطاحون (۱۰) القول الجلیل (۱۱) سلسبیل لعابری السبیل (۱۲) القطائف من اللطائف (۱۳) ملفوظات خیرت

(۱۴) ملفوظات (۱۵) محظوظات (۱۶) جدید ملفوظات (۱۷) ریاض الفوائد (۱۸)
حکم الحکیم (۱۹) ارشاد الرشید (۲۰) الافاضات الیومیہ (۲۱) ادب الاعتدال (۲۲)
ادب الطریق (۲۳) ادب الترک (۲۴) ادب العشیر (۲۵) ادب الاسلام (۲۶)
ادب الاعلام (۲۷) ملفوظات بقلم حافظ صغیر احمد (۲۸) خیر المحضور فی الکانپور
(۲۹) خیر العبور فی سفر گورکھپور (۳۰) خیر الحذور (۳۱) سفرنامہ پانی پت (۳۲)
ذم الخلائق (۳۳) الصناعات فی العبادات (۳۴) المفتاح المعنوی (۳۵) فیوض
الخالق (۳۶) نیل المراد (۳۷) سفرنامہ دیوبند (۳۸) سفرنامہ کوٹلہ (۳۹)
فضل العزیز (۴۰) رحمۃ العزیز دو جلد (۴۱) بصر الناظر (۴۲) ناظر الباطہ (۴۳)
انوار الحقائق (۴۴) وصیۃ الوصی (۴۵) حسن یوسف دو حصہ (۴۶) بزم جمشید
(۴۷) فوائد الفوائد (۴۸) علو النازل (۴۹) نظر عنایت (۵۰) خیر الکسیر (۵۱)
رحمت اعظم (۵۲) اسعاد الاسعد (۵۳) خیر الاختیار فی خیر اختیار (۵۴) سفرنامہ
گنگوہ (۵۵) کلمۃ الحق دو جلد (۵۶) سنۃ المعصوم (۵۷) خیر الکسیر (۵۸) فیوض
الخالق (۵۹) سعاد الطالبین (۶۰) تصحیح الخیال (۶۱) کلام الحسن (۶۲) ارمغان عید
(۶۳) دنیا کی پستی اور دین کی مستی (۶۴) سرمایہ ہستی ،

تفصیل المواعظ

حضرت تھانوی رح کے جو مواعظ ضبط تحریر میں لائے گئے۔ ان کی موضوع وار تفصیل درج ذیل ہے

اتباع و التزام

(۱) حیات طیبہ (۲) طاعت احکام (۳) حق الاطاعۃ (۴) الغالب للطالب (۵) سبیل السعید (۶) الرحیل الی الخلیل
(۷) اتباع المنیب (۸) الشریعت (۹) صلوٰۃ الحزین (۱۰) سنت ابراہیم (۱۱)

(۶۲) التصدی للغیر (۶۳) الظاہر (۶۴) الباطن (۶۵) المجاہدہ (۶۶) الارتیاب والاغتیاب (۶۷) قرب الحساب (۶۸) ذم المکروہات (۶۹) تغافل الاعمال (۷۰) طریق النجات (۷۱) الافتضاح (۷۲) اطباح۔

اصلاح نفس

(۱) اصلاح النفس (۲) نسیان النفس (۳) مراقبۃ الارض (۴) ذم النسیان (۵) زکوٰۃ النفس (۶) اسباب التقلب (۷) ازالۃ الغین عن آلۃ العین (۸) وعظ چرتھاول (۹) ترک مالایعنی (۱۰) مظاہر الاقوال (۱۱) غض البصر (۱۲) تطہیر الاعضاء (۱۳) حفظ اللسان (۱۴) الارتعاظ بالغیر۔

ترغیب وترہیب

(۱) جمال الجلیل (۲) التوجہ (۳) الوصل الفصل (۴) العزت (۵) رفع الموانع (۶) الوصل والفصل۔

تسلیم ورضا

(۱) قطع التمنی (۲) تحلط (۳) المعرق والرحیق (۴) الرضا بالحق دو حصے (۵) التعرف بالتصرف (۶) فناء النفوس (۷) فناء المحبوب۔

ذکر وفکر

(۱) تفصیل الذکر (۲) ذکر الرسول (۳) دواء الضیق (۴) المراقبہ (۵) اکبر الاعمال (۶) الذکر (۷) راحت القلوب (۸) الثقاف (۹) الاسعاد والابعاد (۱۰) رطوبت اللسان۔

دین ودنیا

(۱) ضرورۃ الاعتنا بالدین (۲) ضرورۃ العلم بالدین (۳) ضرورۃ العمل بالدین (۴) الدین الخالص (۵) نفی الحرج (۶) ملت ابراہیم (۷) تفصیل الدین (۸) الحیوۃ (۹) تاسیس البنیان (۱۰) الرضا بالدنیا

خوف و خشیت

(۱) خواص الخشیت (۲) مواعظ اشرفیہ کا نیور (۳) العلم الخشیۃ (۴) مواعظ اشرف میرٹھ (۵) ثمرات الخوف

حرص و ہوس

(۱) ذم الہوی (۲) منازعۃ الہوی (۳) الہوی (۴) الہوی والہدی۔

حج و قربانی

(۱) ترغیب الاضحیہ (۲) تعظیم الشعائر (۳) روح الحج والثج (۴) السوال فی شوال (۵) العبرۃ بذبح البقرۃ (۶) تکمیل الانعام فی صورۃ ذبح الانعام (۷) الحج المبرور (۸) الحج (۹) روح الارواح۔

صبر و شکر

(۱) الصبر (۲) حقیقۃ الصبر (۳) ما علیہ الصبر (۴) الاجر النبیل فی صبر الجمیل (۵) الجبر والصبر (۶) الصبر والصلوٰۃ (۷) الصبر بالصبر (۸) الشکر (۹) تحقیق الشکر (۱۰) شکر المثنوی (۱۱) نعم المرغوبہ (۱۲) شکر النعمۃ (۱۳) عمل الشکر (۱۴) شکر العطا۔

صوم و صلوٰۃ

(۱) فطیر رمضان (۲) اکمل الصوم والعید (۳) احکام العشر الاخیر (۴) ندائے رمضان (۵) الصیام (۶) شعبان فی الشعبان (۷) روح الجوار (۸) روح الافطار (۹) عصم الصوف عن رغم الانوف۔ النسوان فی رمضان (۱۰) اجر الصیام بلا انصرام (۱۱) اکمال العدہ (۱۲) صلات فی الصلوٰت (۱۳) تحصیل المرام (۱۴) الیسر مع العسر (۱۵) الصلوٰۃ مثلث رمضان (۱۶) التہذیب چھ حصے (۱۷) العتق من النیران۔

صحبتِ بزرگان

(۱) دعاۃ الامت و ہداۃ الملت (۲) تتمہ الملک (۳) اختیار الخلیل (۴) فوائد الصحبت (۵) انوار السراج (۶)

البصیر

سلوک و تصوف
(۱) تقلیل الطعام (۲) تقلیل المنام (۳) تقلیل الکلام (۴) تقلیل الاختلاط (۵) التحصیل والتسہیل (۶) المرابط (۷) طریق القلندر۔

عبادت
(۱) العبادۃ (۲) آثار العبادۃ (۳) اسرار العبادۃ (۴) اصل العبادۃ (۵) دار الفضلۃ (۶) علو العبادۃ۔

علم و عمل
(۱) طلب العلم (۲) تعلیم البیان (۳) نور الصدور (تعظیم العلم مع تقسیم العلم (۵) تعمیم التعلیم (۶) کوثر العلوم (۷) الفاظ القرآن (۸) وعظ شفاء العی السوال (۹) ایفاء المجازفہ (۱۰) فطار الاحوال (۱۱) التواصی بالحق (۱۲) الفصل والانفصال (۱۳) الاکرعنیہ بالاعلینۃ والاحمالیۃ (۱۴) الجناح (۱۵) شرط اللہ کبیر (۱۶) تجدید الامثال بتعدد الاعمال (۱۷) تعدد الامثال (۱۸) تکمیل الاعمال۔ (۱۹) اول الاعمال (۲۰) آخر الاعمال (۲۱) ضرورۃ العلماء (۲۲) العمل للعلماء

عیدین
(۱) روح الصیام (۲) الفطر (۳) نمود العید (۴) محمود العید (۵) العید والوعید۔

میلاد النبی
(۱) الظہور (۲) السرور (۳) الحبور النور الصدور (۴) الشذور فی حقوق البدور (۵) نور النور (۶) المولد الفرشی فی المولد البرزخی (۷) الرحمۃ علی الامۃ۔

مال و جاہ
(۱) احکام المال (۲) مظاہر الاموال (۳) التفاق المحبوب (۴) الداء الجاہ (۵) خیر المال للرجال (۶) خیر الاثاث للاناث (۷)

الربار (۸) جمال یوسف (۹) الطاجون (۱۰) الاستعداد۔ (۱۱) الولایت (۱۲) الاستعداد (۱۳) العاقلات الغافلات (۱۴) الدعویٰ (۱۵) العود الی المقاصد (۱۶) التمدن (۱۷) المبتوبان (۱۸) السکن (۱۹) آثار المزاج (۲۰) سنات ابراہیم (۲۱) نظام الحدیث (۲۲) احد الحسینین

تفصیل اعتنا

بعض اہل علم نے حضرت تھانویؒ کی تالیفات کے ساتھ مختلف طریق سے اعتنا فرمایا۔ کسی نے تسہیل عبارت سے، کسی نے تلخیص انتخاب سے اور کسی نے دوسری زبان میں ترجمہ سے۔ تاکہ حضرت کے علوم و معارف سے امتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کوئی اعلیٰ و ادنیٰ اور عام و خاص محروم نہ رہے۔ ان کی تفصیل یہ ہے۔

کتب معتنیٰ بہا

(۱) امثال عبرت (۲) علم غیر منقول (۳) تفسیر المواعظ (۴) علوم امدادیہ (۵) ابیات حکمت (۶) عروس المواعظ (۷) اصول الوصل (۸) رفع الضیق (۹) الشفا (۱۰) ترجمہ اردو زیر و بم (۱۱) حواشی رسالہ انتباہات (۱۲) بانتہ البیان (۱۳) تسہیل قصد السبیل (۱۴) الشراب الطہور (۱۵) حل الانتباہات (۱۶) مناجات مقبول (۱۷) معمولات اشرفی (۱۸) فرائد الفوائد (۱۹) معمولات سفر (۲۰) ترجمہ مائتہ دروس (۲۱) تسہیل باب شوق وطن (۲۲) صلوٰۃ السفر (۲۳) معمولات خانقاہ (۲۴) اشرف السوانح (۲۵) انفاس عیسیٰ (۲۶) درالنعمت فی اشعارِ حکمت (۲۷) بہشتی ثمر (۲۸) النوالۃ التوسن (۲۹) خلاصہ بیان القرآن (۳۰) کمالات اشرفیہ (۳۱) الخیص بیان القرآن۔ (۳۲) الحصون الحصینہ (۳۳) تصحیح الاغلاط (۳۴) اشرف المعمولات (۳۵)

افادۃ العوام ترجمہ خطبات الاحکام (۳۶) تسہیل تمہید حیات المسلمین (۳۷) عنوان التصوف (۳۸) مرآۃ المواعظ (۳۹) تالیفات اشرفیہ (۴۰) اشرف الجواب (۴۱) افاداتِ اشرفیہ در مسائل سیاسیہ شریعت اور طریقت ان کے علاوہ تقریباً ۶۰ مواعظ کی بھی تسہیل وغیرہ کی گئی ہے۔

تالیفات مترجمہ

ان کے علاوہ حضرت کی تالیفات کے بکثرت دوسری زبانوں میں بعض ارباب علم نے ترجمے بھی کئے۔ ان کی تفصیل تالیفاتِ اشرفیہ میں دیکھی جا سکتی ہے۔ یہاں صرف تعداد پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

زبان	تعداد
۱۔ فرانسیسی زبان میں	۱
۲۔ ہندی 〃 〃	۱
۳۔ ناگری 〃 〃	۱
۴۔ پشتو 〃 〃	۱
۵۔ برہمی 〃 〃	۵
۶۔ انگریزی 〃 〃	۸
۷۔ سندھی 〃 〃	۱۱
۸۔ گجراتی 〃 〃	۱۴
۹۔ بنگالی 〃 〃	۲۰

ماہنامے

حضرت تھانوی رح کے فیوض وبرکات ظاہری وباطنی کی تبلیغ واشاعت کے لئے حسب ذیل ماہنامے خانقاہ امدادیہ

اشرفیہ سے جاری ہوتے رہے۔

النور یہ ماہوار رسالہ خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون سے زیر ادارت مولانا شبیر علی صاحب ہر قمری مہینہ کے آخری ہفتہ میں شائع ہوتا تھا۔ اس کے مع ٹائیٹل ۴۰ صفحے تھے۔ جو ۱۳۳۹ھ سے جاری ہوا۔ اس کا سال ماہ جمادی الاولیٰ سے شروع ہوتا تھا۔ اس میں حضرت کے مقالات شائع ہوتے تھے۔

المبلغ اسے بھی مولانا شبیر علی صاحب تھانہ بھون سے شائع کیا کرتے تھے، ۴۸ صفحات کا یہ رسالہ ہر قمری مہینہ کو شائع ہوتا تھا۔ یہ ۱۳۴۶ھ سے جاری ہوا۔ اس کا سال شوال المکرم سے شائع ہوتا تھا۔ اس میں حضرت کے جدید مواعظ شائع ہوا کرتے تھے۔

الافاضات یہ رسالہ دریبہ کلاں دہلی سے جناب محمد عثمان خاں صاحب تاجر کتب نے ہر قمری مہینہ کی پندرہ تاریخ کو شائع کرنا شروع کیا اس میں مع ٹائیٹل ۴۰ صفحے ہوتے تھے۔ یہ رسالہ ۱۳۴۸ھ میں جاری ہوا۔ اس کا سال ماہ رمضان سے شروع ہوتا ہے۔ اس میں حضرت کے کمیاب مواعظ شائع ہوتے ہیں یہ اب تک کراچی سے شائع ہوتا رہتا ہے۔

الہادی یہ رسالہ بھی دریبہ کلاں دہلی سے زیر اہتمام خاں صاحب موصوف ہر قمری مہینہ میں شائع ہوتا تھا، ۴۸ صفحات کا یہ رسالہ ۱۳۴۳ھ میں جاری ہوا۔ اس کا سال جمادی الاولیٰ سے شروع ہوتا تھا۔ اس میں حضرت رح کے ہر قسم کے علوم عقلیہ و نقلیہ شائع کیے جاتے تھے،

الامداد یہ رسالہ امداد المطابع تھانہ بھون سے رجب ۱۳۳۳ھ سے جاری ہوا ضخامت ۴۰ صفحات کی تھی۔ حضرت کے ہر قسم کے مضامین اس میں شائع ہوتے تھے۔

اشرف العلوم یہ رسالہ دفتر اشرف العلوم سہارن پور سے زیر ادارت مولانا ظہور الحسن صاحب کسولوی محرم الحرام ۱۳۵۴ھ سے جاری ہونا شروع ہوا۔ ہر قمری مہینہ میں شائع ہوتا تھا شروع میں یہ ۳۵ صفحات پر چھپتا رہا بعد میں اس کی ضخامت ۴۰ صفحات رہ گئی۔

الاشرف یہ ماہوار رسالہ انوار بک ڈپو لکھنؤ سے زیر ادارت مولوی محمد حسن صاحب نکلا کرتا تھا۔ یہ ماہ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ سے جاری ہوا۔ اس کے نصف میں جدید ملفوظات اور نصف میں کتاب بوادر النوادر شائع ہوتی تھی۔

جدید اضافے حال ہی میں حضرتؒ کے متعلق مندرجہ ذیل کتب شائع ہوئیں۔

۱۔ حیاتِ اشرف — مصنفہ جناب غلام محمد صاحب عثمانیہ
۲۔ جامع المجددین
۳۔ تجدید تصوف و سلوک
۴۔ تجدید معاشیات
۵۔ تجدید تعلیم و تبلیغ
(۲ تا ۵) — مصنفہ مولانا عبد الباری صاحب ندوی
۶۔ حکیم الامت — مصنفہ مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی

تعدادِ کتب

اس وقت تک حضرت تھانوی رح کی اپنی اور انکے متعلق شائع ہونے والی تمام کتابوں کی تعداد ایک ہزار کے قریب پہنچ چکی ہے

حیرتِ فرنگی

جیساکہ ——— ذکر کیا جاچکا ہے کہ حضرت تھانوی رح نے اپنی کسی تصنیف پر رائلٹی لینی پسند نہ کی۔ ورنہ جس طرح آپ سینکڑوں کتابیں اپنی علمی یادگار کے طور پر چھوڑ گئے تھے، اسی طرح ان کی رائلٹی سے کمایا ہوا لاکھوں روپیہ بھی پس انداز جاتے مگر حضرت کو تو دنیا سے زیادہ آخرت کی فکر تھی۔ اس لئے جب ایک مرتبہ ایک انگریز نے حضرت سے دریافت کیا کہ آپ کو تفسیر لکھنے میں کتنے روپے ملے تو حضرت نے فرمایا "کچھ نہیں" اس پر اس نے بڑے تعجب سے پوچھا کہ پھر اتنی بڑی کتاب لکھنے کی آپ نے محنت کیوں کی. آپ نے فرمایا کہ۔

"ہم لوگ اس کے قائل ہیں کہ علاوہ اس زندگی کے ایک اور بھی زندگی ہے جس کو آخرت کہتے ہیں. میں نے یہ محنت اس توقع پر کی ہے کہ انشاءاللہ مجھے اس کا عوض اس دوسری زندگی میں ملے گا۔ اور ایک اس سے دنیا کا فائدہ بھی ہے۔ وہ یہ کہ جب میں دیکھوں کہ میرے مسلمان بھائی پڑھ پڑھ کر اس سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ تو مجھ کو خوشی ہوگی"

اس پر وہ انگریز بہت متاثر ہوا اور حضرت رح کے دینی جذبہ کی تعریف کی۔ اگر حضرت تھانوی رح ان کتابوں پر رائلٹی لیتے تو آج اکثر گھروں میں حضرت کی علمی یادگاریں نظر نہ آتیں۔

اصلاحیات

حضرت حکیم الامت رحمہ کے معارف کا یہ آخری باب ہے اور خاصہ اہم باب ہے مسلمانوں کی اصلاح کی جو دقیق نظر ان کو بارگاہ الٰہی سے عنایت ہوئی تھی اس کا اندازہ ان کی اصلاحی کتابوں سے بخوبی ہو سکتا ہے۔ اصلاح کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ بچوں، طالبعلموں اور عورتوں سے لے کر مردوں اور علماء و فضلاء کے حلقہ تک پھیلا ہوا ہے۔ اور سب کے لئے مفید ہدایات کا ذخیرہ یادگار چھوڑا ہے۔ دوسری طرف ان اصلاحات کی وسعت یہ ہے کہ مجالس و مدارس اور خانقاہوں سے شروع ہو کر شادی و غمی کے رسوم اور روزمرہ کی زندگی تک کو وہ محیط ہیں غرض ایک مسلم جدھر اپنی زندگی میں رخ کرے ان کے قلم نے شریعت کی ہدایات کا پروگرام تیار کر رکھا ہے اس سلسلہ میں حضرت کی سب سے اہم چیز مواعظ ہیں واعظ تو بحمد اللہ زمانہ خیر کے بعد اسلام کی دس بارہ صدیوں میں بے شمار گذرے ہونگے مگر شاید واعظین میں ابن نباتہ اور ائمہ سلوک میں حضرت شیخ الشیوخ عبدالقادر جیلانی رحمہ کے مواعظ کے سوا کوئی دوسرا مستند اور

مفید مجموعہ موجود نہیں لیکن یہ ان بزرگوں کے صرف چند مواعظ پر مشتمل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس اخیر دور میں امتِ اسلامیہ کی اصلاح کے لئے بہت بڑا فضل یہ فرمایا کہ حضرت کے مستفیدین کے دل میں یہ ڈالا کہ وہ حضرت کے مواعظ کو جو شہر بہ شہر ہوئے ہیں عین وعظ کے وقت لفظ بہ لفظ قید تحریر میں لائیں اور حضرت کی نظر سے گزار کر ان کو دوسرے مسلمانوں کے عام فائدے کی غرض سے شائع کریں چنانچہ اس اہتمام واحتیاط کے ساتھ تقریباً چار سو مواعظ جو احکام اسلامی، ردّ بدعات، نصائح دلپذیر اور مسلمانوں کی مفید تدابیر و تجاویز پر مشتمل ہیں اور جن میں حقائق کے ساتھ ساتھ دلچسپیوں کی بھی کمی نہیں مرتب ہوئے اور اکثر شائع ہوئے اور مسلمانوں نے ان سے فائدے اٹھائے سلسلۂ اصلاح وتربیت میں حضرت کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ عموماً واعظین صرف عقاید وعبادات پر گفتگو فرماتے ہیں حضرت ان چیزوں کی اہمیت کے ساتھ مسلمانوں کے اخلاق و معاملات اور عملی زندگی کے کاروبار کی اصلاح پر زور دیتے ہیں بلکہ اپنی تربیت وسلوک کی تعلیم میں بھی ان پر برابر کی نظر رکھتے تھے حالانکہ عام مشائخ نے اس اہم سبق کو صدیوں سے بھلا دیا تھا۔ مواعظ کے علاوہ اس سلسلہ کی کڑی ان کی کتاب حیات المسلمین ہے۔ جس میں قرآن پاک واحادیث نبویہ کی روشنی میں مسلمانوں کی دینی دنیاوی ترقی و فلاح کا مکمل پروگرام مرتب فرمایا ہے۔ حضرت نے بارہا ارشاد فرمایا کہ انہوں نے اپنی ساری تصنیفات میں اس کتاب کی تالیف

ہیں جو محنت اٹھائی وہ کسی میں نہیں پیش آئی اور اسی لئے یہ بھی ارشاد ہے کہ میں اپنی ساری کتابوں میں اس کتاب کو اپنے لئے ذریعہ نجات گمان کرتا ہوں اس سلسلہ کی دوسری کتابیں اصلاح الرسوم صفائی معاملات اصلاح امت اصلاح انقلاب امت وغیرہ ہیں اور ہر ایک کا منشاء یہ ہے کہ مسلمانوں کی اخلاقی، اجتماعی، معاشرتی زندگی خالص اسلامی طریق اور شرعی نہج پر ہو اور ان کے سامنے وہ صراط مستقیم کھل جائے جو ہدایت کی منزلِ مقصود کی طرف جاتی ہے۔

(سید سلیمان ندوی)

صرف ٹائیٹل تاج پرنٹرس سہارنپور میں طبع ہوا